ماہنامہ
دخترانِ اسلام
لاہور

اپریل 2015ء

امنِ عالم کو درپیش خطرات اور
آزادئ اظہارِ رائے کی درست تعبیر و تشریح

فرانسیسی جریدے میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی طرف سے عالمی رہنماؤں کو لکھا گیا

فکر انگیز مراسلہ

”قائدڈے“ کے موقع پر مرکزی سیکرٹریٹ میں ”سفیرِ امن سیمینار“ سے محترمہ فضہ حسین قادری، محترمہ راضیہ نوید، محترمہ گلشن ارشاد، محترمہ ڈاکٹر سعدیہ علوی، محترمہ ڈاکٹر ثمر فاطمہ، محترمہ شبنم ناگی، محترمہ شاہدہ نصیر، محترمہ سعیدہ زیب، محترمہ عائشہ قادری اور محترمہ ڈاکٹر زرقا خطاب کرتے ہوئے

A Blend of Islamic Studies & Modern Science

ADMISSION OPEN

Hostel Facility Available

For Spring Semester

B.S Islamic Studies

Four Years Programme

Admission will be open from 1-3-2015 to 31-3-2015

MINHAJ COLLEGE FOR WOMEN

(Shariah College for Women)Township, Lahore

www.minhaj.edu.pk/mcw E-mail: unimcw@gmail.com
042-35116784-5, 042-35111013

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 22 شمارہ: 4 جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ / اپریل 2015ء

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

مجلس مشاورت
صاحبزادہ مسکین فیض الرحمن درانی
خرم نواز گنڈاپور
ڈاکٹر رحیق احمد عباسی
شیخ زاہد فیاض
جی ایم ملک
منظور حسین قادری
سرفراز احمد خان
غلام مرتضیٰ علوی
قاضی فیض الاسلام
راضیہ نوید

مینجنگ ایڈیٹر
صاحبزادہ محمد حسین آزاد

اسسٹنٹ ایڈیٹرز
نازیہ عبدالستار
ملکہ صبا

ناشر
علامہ محمد معراج الاسلام

کمپیوٹر آپریٹر
محمد اشفاق انجم

ٹائیٹل ڈیزائنر
عبدالسلام

فوٹوگرافی
محمود الاسلام قاضی

کتابت
محمد اکرم قادری

ایڈیٹوریل بورڈ
رافعہ علی
عائشہ شبیر
سعدیہ نصراللہ
فرح فاطمہ

فہرس

اداریہ		6
امنِ عالم کو درپیش خطرات اور آزادیٔ اظہارِ رائے کی درست تعبیر و تشریح	ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	8
کار اور کن کا فلسفہ	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	15
ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے تفسیری تفردات	علامہ محمد حسین آزاد	20
تقدیر امم کیا ہے؟	عائشہ بتول	29
ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ	ملکہ صبا	33
تذکارِ پیکرِ صداقت	محمد احمد طاہر	39
سماجی انصاف اور اس کے تقاضے	ڈاکٹر ساجد خاکوانی	42
وظائف محمدیہ		46
گلدستہ		47
پاکستان عوامی تحریک اور منہاج القرآن ویمن لیگ کی سرگرمیاں		49

ترسیلِ زر کا پتہ: منی آرڈر / چیک / ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

بدلِ اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ: 15 ڈالر مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر

قیمت فی شمارہ -/25 روپے

سالانہ خریداری -/250 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-5168184

Visit us on: www.minhajsisters.com E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○

(الرعد، ۱۳:۲۳،۲۴)

’’(جہاں) سدا بہار باغات ہیں ان میں وہ لوگ داخل ہوں گے اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو بھی نیکوکار ہوگا اور فرشتے ان کے پاس (جنت کے) ہر دروازے سے آئیں گے۔ (انہیں خوش آمدید کہتے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے:) تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں، پس (اب دیکھو) آخرت کا گھر کیا خوب ہے۔

(ترجمہ عرفان القرآن)

فرمان نبوی ﷺ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللهِ، فَيُوشِكُ اللهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْآجِلٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

’’حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص پر مفلسی آ گئی اور اس نے اپنی مفلسی (کو دور کرنے کے لئے اس) کو لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اس کی مفلسی دور نہیں ہو گی اور جس شخص نے اپنی مفلسی کو اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جلد یا بدیر (حکمتِ خداوندی کے مطابق) رزق عطا فرمائے گا۔‘‘

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص ۴۰۵)

حمد باری تعالیٰ

ہر اک کو صرف ہے تاحدِ مدعا معلوم
خدا ہے کتنا بڑا، یہ کسی کو کیا معلوم

ملا نہ جیسے وہ ہر اک کو ابتدا کی طرح
نہ کرسکے گا کوئی اس کی انتہا معلوم

کرم ہے اسکا کہ اپنے پیمبروںؑ کے طفیل
کھلا وہ خود ہی تو کچھ سب کو ہوسکا معلوم

ہے اس کی ذات بہ شرحِ صفات اس کی دلیل
نہیں کسی کو مگر اس سے وہ سوا معلوم

یہ صرف ذاتِ محمدؐ کا فیض ہے لوگو
ہوا ہے سب کو جو اللہ برملا معلوم

دلیلِ حسنِ حقیقت ہے اسوۂ آقاؐ
اسی کے ربط سے ہے سب برا بھلا معلوم

وہ کائنات کا خالق ہے اس کے کیا کہنے
وہ خود بھی ہوگا نہیں خلق سے خدا معلوم

(عبدالعلیم)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

شہِ بحرو بر کا کرم چاہتا ہوں
یہ سر اور ان کا قدم چاہتا ہوں

مری چشم پوشی غریبوں کے والی
تری نسبتوں سے بھرم چاہتا ہوں

مرا کاسۂ آرزو آج بھردے
کہ میں دولتِ چشمِ نم چاہتا ہوں

ہو وردِ زباں آپؐ کا نامِ نامی
وظیفہ یہی دم بدم چاہتا ہوں

ازل سے ہوں میں خانہ زادِ محمدؐ
کفن پہ بس اتنا رقم چاہتا ہوں

فقط کوچۂ یار قسمت میں لکھ دے
نہ میں اور کوئی ارم چاہتا ہوں

ٹھہرتی نہیں ہے ذرا بھی طبیعت
میں تھوڑی سی خاکِ حرم چاہتا ہوں

رہے قطبؔ کی لاج بھی میرے آقاؐ
یہی تجھ سے تیری قسم چاہتا ہوں

(خواجہ غلام قطب الدین فریدی)

فکرِ اقبال اور حالات حاضرہ

علامہ اقبال علم وحکمت کا ایک روشن چراغ ہیں جسے ہم برصغیر میں دانشوری کی نئی روایت کا نقطہ عروج بھی کہہ سکتے ہیں۔ دانشوری کی اس نئی روایت کا آغاز اس دور میں ہوا جب ہم فکر وتصور میں لکیر کے فقیر تھے۔ ماضی کے اندھیروں میں بے عملی کی چادر اوڑھے گہری نیند سونا ہمارا شعار ہوگیا تھا۔ انہوں نے ہمیں خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی تو ہم نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا لیکن خواب کی لذت ہمیں اس قدر عزیز تھی کہ ہم بیداری کے عوض سوچنے کی مشقت کیوں مول لیتے۔ علامہ اقبال نے اپنی قوم کی بدحالی کو دیکھا اور اس کے اسباب کو دریافت کرنے میں پورے انہماک سے کام لیا۔

علامہ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی زبوں حالی کی اصل وجہ مسلمانوں کا دین سے بے بہرہ اور بے عمل ہونا ہے۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس میں عمل اور اسلامی اوصاف برائے نام ہوتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک یقین، عمل اور محبت تعمیر خودی کے لازمی اجزاء ہیں۔ خودی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے انسان کو بے شمار امکانات کے ساتھ پیدا کیا اور ان امکانات میں اس کی تقدیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ ان امکانات کو بروئے کار لاکر وہ اپنی تقدیر بناتا ہے۔ انہوں نے خودی کو اس کائنات کی بنیادی حقیقت کہا ہے جس کو ہم ذہن اور شعور سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں ذہن باشعور موجود ہے وہاں وہاں زندگی موجود ہے لیکن اس سلسلے میں یہ فرق ضرور ذہن نشین رہنا چاہئے کہ انسان خودی سے آگاہ اور حیوان اس سے محروم ہوتا ہے اس لئے علامہ فرماتے ہیں کہ جب انسان اس حقیقت کو فراموش کر ڈالتا ہے تو کائنات کی اشیاء اس کی حاکم بن جاتی ہیں اور ان کے حصول کے لئے خود کو گنوانے پر مجبور ہوجاتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ یہ سب اس کی عظمتوں کے آگے کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتی۔ علامہ اقبال نے خودی کے لئے زندگی اور حیات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہی کچھ آج کے دور میں بھی ہورہا ہے کہ ہم اپنے قومی وقار کو ختم کرکے دوسروں کے آگے بھیک مانگنے پر تلے ہوئے ہیں۔

علامہ اقبال نے اجماع اور اجتہاد پر بھی بہت زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک علماء، سیاسی رہنما، قانونی ماہرین اور مختلف علوم وفنون اور شعبہ ہائے زندگی کے افراد جمع ہوکر اپنا کردار ادا کرسکتے ہیں مگر قیام پاکستان کے بعد جس طرح جمہوریت کی مٹی پلید ہوئی ہے اور حکمران اور اراکین اسمبلی جس طرح جاہ و جلال، خودغرضی اور اقرباء پروری میں مبتلا رہے ہیں اور جس طرح انہوں نے لوٹ کھسوٹ اور فضول خرچی کے نئے ریکارڈ بنائے

ہیں۔ سرکاری وسائل بڑے پیمانے پر ہڑپ کئے جارہے ہیں اور قومی خزانے کی لوٹ مار ہورہی ہے۔ اراکین اسمبلی جس بے دردی سے اپنے حلقے کے فنڈ خورد برد کررہے ہیں اور اب سینیٹ کے ارکان کے الیکشن میں سیاسی جماعتوں نے جس بندر بانٹ کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ علامہ اقبال اگر آج زندہ ہوتے تو ہماری قانون ساز اسمبلیوں کی ایسی افسوس ناک کارکردگی دیکھ کر سخت مایوس ہوتے۔ موجودہ حالت میں پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ کرپشن اور بدعنوانی ہے جو ہر سطح پر موجود ہے۔ آج پاکستان کا شمار دنیا کی کرپٹ ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ زندگی کی حقیقت اس کے معنی اور سیاسی حالت پر نظر ڈالنے کے بعد علامہ اقبال نے مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہا تھا:

ہوگیا مانند آب ارزاں مسلمانوں کا لہو

مست تو ہے کہ تیرا دل نہیں دانا راز

فکرِ اقبال میں ہمیں جاگیردارانہ نظام حکومت کی سختی سے مخالفت نظر آتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو کچھ ہورہا ہے اس کی نوعیت اور حقیقت یہ نہیں کہ لوگ بے رحم اور سفاک ہوگئے ہیں اور قتل و غارت گری ان کی فطرت کا تقاضا بن گئی ہے بلکہ اس کے پس پردہ جاگیردارانہ نظام اور مراعات یافتہ طبقے کے اپنے مفادات ہیں جن کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ طبقہ خود ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن کا لازمی نتیجہ تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ اقبال انسان کی انسان پر حکمرانی کو کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دیتے۔

آج کے دور میں علامہ اقبال کی اسی سیاسی فکر کے حامل اور محافظ قائد پاکستان عوامی تحریک ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ موجودہ حکمران اور نام نہاد فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام قدم قدم پر عوام کے حقوق کی پامالی کررہا ہے۔ آئین کے آرٹیکلز 3، 9، 11، 25، 37، 38، 62، 63 سمیت کئی آرٹیکلز کی مسلسل خلاف ورزی دھائیوں سے جاری ہے۔ مقام افسوس ہے کہ یہاں ہر روز آئین کی دھجیاں بکھیری جاتی ہیں اور روزانہ لاشیں گرتی ہیں لیکن حکومت وقت کے سر پر جوں تک نہیں رینگتی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ دھاندلی پر مبنی اس پارلیمنٹ سے خیر کی کوئی توقع نہیں کیونکہ موجودہ پارلیمنٹ 75 فیصد ٹیکس چوروں اور قرض خوروں سے بھری پڑی ہے جو آئین پاکستان سے بغاوت کے مترادف ہے۔ پاکستان کی سلامتی کے ضامن ادارے پاک فوج اور آئی ایس آئی پر حملے کئے گئے۔ حکمرانوں کو پتہ ہے کہ فوج ان کی راہ میں آخری رکاوٹ ہے لہذا یہ اسے بھی کمزور کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم انہیں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اب ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔

امنِ عالم کو درپیش خطرات اور آزادیٔ اظہارِ رائے کی درست تعبیر و تشریح

فرانسیسی جریدے میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی طرف سے عالمی رہنماؤں کو لکھا گیا فکر انگیز مراسلہ

فرانس (France) کے دارالحکومت پیرس (Paris) میں ایک میگزین Hebdo Charlie کے عملے کی ہلاکت کے واقعہ کی وجہ سے دنیا اس وقت ایک نئے چیلنج سے نبرد آزما ہے۔ ان لوگوں کو یہ ہلاکتیں بظاہر اپنے میگزین میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کا ردِ عمل نظر آتی ہیں۔ اس دہشت گردانہ کارروائی کے ردِّعمل میں Hebdo Charlie نے ان گستاخانہ خاکوں کو دوبارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا، جس نے دنیا بھر میں غم و غصہ کی نئی لہر دوڑا دی ہے۔ مختلف عالمی اداروں، تنظیموں اور بااثر حکومتوں نے اس صورتِ حال کو مزید خراب ہونے سے بچانے کی بجائے اس انتشار کو مزید پھیلانے کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے، جس کے اختتام کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اس حوالے سے اقوامِ متحدہ (Nations United)، بین الاقوامی ہیومن رائٹس کمیشن (International Human Rights Commission) اور یورپی یونین (European Union) نے اب تک کوئی مثبت کردار ادا نہیں کیا۔ یہ صورت حال اس حد تک گھمبیر اور بے قابو ہو چکی ہے کہ پرامن بقائے باہمی کے لئے خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ اگر اس کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو یہ تہذیبوں، مذاہب اور معاشروں کے درمیان سنگین تصادم (Clash) کا باعث بن سکتی ہے۔

اظہار رائے کی آزادی جدید تہذیب و تمدن (Modern Civilisations) کا انتہائی قیمتی اثاثہ ہے۔ انسانیت نے یہ آزادی کی نعمت صدیوں کی جان گسل قربانیوں اور مشکلات کے نتیجے میں حاصل کی ہے۔ فرانسیسی قوم نے دنیا کے بڑے رہنماؤں کے ساتھ مل کر آزادی مارچ (Freedom March) کے ذریعے یک جہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دہشت گردوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ انسانیت پر اپنا نام نہاد ایجنڈا کبھی بھی مسلط نہیں کر سکتے۔ تاہم اس مارچ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اظہار رائے کی آزادی کا یہ حق ہر کسی کے لئے ہے یا یہ رعایت محض بعض افراد اور اقوام کے لیے ہے؟ اور کیا اس کی کچھ حدود بھی ہیں کہ جن کے ذریعے بعض

معاشروں کو تحفظ حاصل ہو اور باقی سب کے لئے یہ شجر ممنوعہ ہو؟

اس حساس موقع پر ہماری اس تحریری یادداشت (Memorandum) کا مقصد Charlie Hebdo کے حالیہ معاملے کے تناظر میں ایک حقیقت پسندانہ اور قابل عمل حل تلاش کرنا ہے تا کہ صورت حال کی سنگینی کو کم کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں 'اظہارِ رائے کی آزادی کے حق' (Freedom of Speech) میں کی گئی مباحث میں اظہارِ رائے کی آزادی کی حمایت کرنے والوں نے اس کے تقدس کی وکالت کرتے ہوئے اس کو برقرار رکھنے کا عندیہ دیا ہے، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی برآمد ہوں۔ وہ اس پر کسی قسم کی قدغن برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ دوسرا نقطہء نظر آزادی اِظہارِ رائے کی حدود و قیود کے تعین پر مشتمل ہے جو مبنی بر اعتدال ہے۔ اگر آزادی رائے کو چند اخلاقی ضابطوں کا پابند بنا دیا جائے تو اس سے کوئی انسانی حق مجروح نہیں ہوتا کیونکہ آزادی رائے اگرچہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے، لیکن یہ حق مطلق و بے مہار نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی ایسا دعویٰ کر سکتا ہے اور ان کے اطلاق کا انحصار دوسروں کے بنیادی حقوق کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اس سوچ پر اصرار کرنا کہ آزادی کا یہ تحفہ ایک مطلق حیثیت رکھتا ہے اور اس پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے، نامناسب بات ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا حق دوسرے کی بنیادی انسانی حقوق کی نفی کرتا ہو۔ ہر وہ ملک جو اس 'مہذب اور جمہوری' دنیا کا حصہ دار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس نے اظہار رائے کی آزادی کے سلسلے میں اپنی سوسائٹی کے مفادات کے پیش نظر اپنی حدود خود متعین کر رکھی ہیں تا کہ مخصوص معاشرتی انسانی رویوں کو ایک خاص سطح پر اپنے علاقائی رسم و رواج، اخلاق، مسلمہ معاشرتی اقدار، کلچر اور مذہب کی حفاظت کی بنیاد پر برقرار رکھ سکے۔

چنانچہ یہ شور وغوغا کرنا کہ اظہار رائے کی آزادی کے حق کی جڑ کو مسلمان کھوکھلا کر رہے ہیں، سراسر بے بنیاد تہمت ہے۔ بچوں میں فحش نگاری کی آزادانہ تشہیر، مذہبی انتہا پسندی یا نسلی منافرت کے اظہار پر کئی ممالک میں پابندی عائد ہے اور یہ بالکل درست اقدام ہے۔ بہت سے یورپی ممالک میں ہولوکاسٹ (Holocaust) کا انکار کرنا ایک مجرمانہ فعل تصور کیا جاتا ہے جن میں آسٹریا (Austria)، بیلجیم (Belgium)، چیک ری پبلک (Republic Czech)، فرانس (France)، جرمنی (Germany)، اسرائیل (Israel)، لیتھوانیا (Lithuania)، پولینڈ (Poland)، رومانیہ (Romania)، سلوواکیہ (Slovakia) اور سوئٹزر لینڈ (Switzerland) شامل ہیں۔ ان ممالک میں یہ فعل قابلِ سزا جرم ہے جس کے نتیجے میں جرمانہ اور جیل بھی بھیجا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ جب ایک برطانوی اَخبار 'The Independent' نے 27 جنوری 2003ء

کی اِشاعت میں اسرائیلی وزیرِاَعظم ایریل شیرون (Ariel Sharon) کو ایک فلسطینی بچے کا سر کھاتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دکھایا گیا کہ 'اس میں برائی ہی کیا ہے! کیا تم نے پہلے کبھی کسی سیاست دان کو نہیں دیکھا کہ بچے کو چوم رہا ہو؟' اس کے ردّ عمل میں خود اسرائیل کے کئی علاقوں میں اِحتجاج شروع ہو گیا اور دنیا بھر میں موجود یہودیوں کی طرف سے اشتعال اور غصہ سامنے آیا۔ اس پر بھرپور احتجاج کیا گیا۔ 2006ء میں جب اَطالوی وزیر اَعظم سلویو برلس کونی (Berlusconi Silvio) نے اپنا موازنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیا تو اس پر ویٹی کن سمیت اٹلی کے بہت سے سیاست دانوں نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا؛ حتیٰ کہ کیتھولک چرچ (Catholic Church) کے ایک اَعلیٰ عہدے دار نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ اطالوی وزیرِ اعظم کہے گا کہ اس نے یہ بات اَز رہِ مزاح کی ہے لیکن ایسی باتیں از رہِ مزاح بھی نہیں کی جانی چاہئیں۔

پوپ فرانسس نے پیرس میں جنوری 2015ء کے دہشت گردانہ حملوں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اظہارِ رائے کی آزادی میں کچھ ضروری حدود و قیود ہوتی ہیں خصوصاً جب کسی کی مذہبی دل آزاری کی جائے۔ پوپ فرانسس نے مزید کہا: بہت سے لوگ مذاہب کے بارے میں بڑی تحقیر آمیز گفتگو کرتے ہیں۔ دوسروں کے مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت اشتعال دلانے کا کام کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو میرے دوست ڈاکٹر گیسپری (Dr Gasparri) کے ساتھ ہو گا۔ اگر وہ میری ماں کے خلاف کوئی توہین آمیز لفظ بولتا ہے ایسے عمل پر اسے میری طرف سے ایک مُکے کی توقع ہی کرنی چاہیے۔ ہر کام کی کوئی حد ہوتی ہے۔ مجھے ذاتی بے توقیری قطعاً ناقابلِ قبول ہے، خصوصاً جب بے توقیری مذہب سے متعلق ہو تو ایسا عمل نہ تو انسانی سطح پر اور نہ ہی اخلاقی و معاشرتی سطح پر قبول کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے والے دنیا میں امن برقرار رکھنے کی کوئی مدد نہیں کرتے اور نہ ہی دنیا کے لئے خود کو منفعت بخش ثابت کرتے ہیں۔ کسی کو اشتعال دلانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ کو دوسروں کے اعتقادات کی تحقیر کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ کو دوسروں کے عقائد کے مذاق اڑانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (The Christian Post, 15 January, 2015)

جرمن اخبار The Berliner Zeitung نے حال ہی میں (یعنی جنوری 2015ء میں) Charlie Hebdo پر حملے سے ایک دن بعد اپنی اشاعت میں یہود دشمنی پر مبنی ایک کارٹون غلطی سے شائع کرنے پر معافی مانگی ہے۔ اسی اشاعت پر Charlie Hebdo نے 4 عدد توہین آمیز خاکے حضور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں شائع کیے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں سے متعلق کارٹون اگر غلطی سے بھی چھپ جائے تو وہ شائع کی ہوئی چیز جرم تصور کی جاتی ہے اور دوسری جانب عمداً اور ارادتاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک نہیں چار عدد توہین آمیز خاکے شائع کیے جاتے ہیں مگر معافی کی بجائے اسے اظہار رائے کی آزادی کا حق سمجھا جاتا ہے۔ دونوں مذاہب کے لیے جداگانہ معیار کیوں ہے؟ حق یہ ہے کہ دونوں واقعات میں نہ تو کوئی فرق روا رکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ایسا کرنا چاہیے۔ اس سے قبل Charlie Hebdo نے 2006ء میں فرنچ کارٹونسٹ Maurice Sinet کی یہود دشمن ریمارکس پر برخاست کر دیا تھا۔ اسی طرح 2006ء میں ڈینش اخبار Jyllands Posten نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مضحکہ خیز تصویر شائع کی جبکہ اس کے برعکس 2005ء میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ایک تضحیک آمیز کارٹون شائع کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا کیونکہ ان کے خیال میں اس سے ’اشتعال انگیز شور شرابے‘ کا اندیشہ ہوسکتا ہے اور فخریہ انداز میں واضح کیا کہ کسی صورت میں بھی ہولوکاسٹ سے متعلقہ کارٹون شائع نہیں ہوں گے۔

یہ معاملہ یہاں اظہارِ رائے کی آزادی سے متعلقہ نہیں بلکہ یہ تو ایک بڑی تہذیب و تمدن کے مقدس عناصر کی تضحیک و تحقیر پر مبنی غیر اخلاقی عمل کا ہے۔ ہتکِ عزت کے سلسلے میں حق تلفی کا قانون کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے جس کے تحت ایسے جرم کی پاداش میں ایک شخص کو سزا دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایک فرد کے حقوق میں توازن برقرار رکھنے کے لئے آزادیِ اظہار رائے کے مطلق حق کو محدود کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایسا عمل جس سے ایک پورے طبقے کو اذیت پہنچتی ہو محض اظہارِ رائے کی آزادی کے عنوان کے تحت جائز نہیں بن سکتا۔ مزید برآں کئی ممالک میں ان کے دساتیر اور مخصوص قومی اداروں مثلاً فوج، عدلیہ اور پارلیمان کی توہین کو یا تو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے یا اس رویے کی مذمت کی گئی ہے۔ دنیا بھر میں توہینِ عدالت کا قانون موجود ہے جو واضح طور پر آزادیِ اظہارِ رائے کی حدود متعین کرتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا قید ہے۔ لہٰذا آزادیِ اظہارِ رائے کا حق قطعی طور پر مطلق نہیں ہے بلکہ اسے بنیادی انسانی حقوق (اور ذہنی و قانونی تقاضوں اور جمہوری اقدار) کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ اگر اظہار رائے کی آزادی کا حق مطلق ہے تو پھر ایسے قوانین پر کیوں اعتراض نہیں کیا جاتا؟

اِنفرادی عزت و وقار اور مذہبی آزادی کا تحفظ ایسے بنیادی انسانی حقوق ہیں جنہیں دنیا بھر میں قانونی تحفظ حاصل ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک کے دساتیر و قوانین کے ساتھ ساتھ اَقوامِ متحدہ کے چارٹر نے بھی اِن حقوق کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے پہلے آرٹیکل کی شق نمبر 3 میں اِن حقوق کو ان الفاظ میں

تسلیم کیا گیا ہے:

یہ قرار دیا جاتا ہے کہ معاشی، سماجی، ثقافتی اور اِنسانی نوع کے عالمی مسائل و تنازعات کے حل کے لیے اور انسانی حقوق کے اِحترام کے فروغ و حوصلہ اَفزائی کے لیے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے نسل، جنس یا مذہب کی تفریق کے بغیر بنیادی اِنسانی حقوق کے تحفظ کی خاطر عالمی برادری کا تعاون حاصل کیا جائے گا۔

حقوق انسانی کے یورپی کنونشن کے آرٹیکل نمبر 9 میں قرار دیا گیا ہے کہ:

کسی فرد کے مذہب اور عقیدہ کے اظہار کی آزادی صرف قانون میں بیان کی گئی حدود کے ساتھ مشروط ہوگی اور یہ ایک جمہوری معاشرے میں عوامی تحفظ کے حصول، امن عامہ کے قیام، صحت اور اخلاقیات کے تحفظ اور دوسرے افراد معاشرہ کے حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔

امریکہ کے دستور کے بل آف رائٹس (Bill of Rights) کی ترمیم نمبر 1 میں کہا گیا ہے:

کانگریس کسی مذہبی ادارہ یا اس کے آزادانہ مذہبی عمل کرنے سے منع کرنے سے متعلق یا آزادی تقریر و اخبارات پر قدغن لگانے سے متعلق یا لوگوں کے پر امن اجتماع منعقد کرنے اور مسائل کے حل کے لیے حکومت کو عرض داشت کرنے کے خلاف کوئی قانون نہیں بنائے گی۔

امریکہ کی بعض ریاستیں ایسی ہیں جن کی دستوری کتب میں اہانت مذہب کے قوانین موجود ہیں Massachusetts کا باب 272 سیکشن 36 بیان کرتا ہے:

جو کوئی ارادتاً خداوند کے پاک نام کی گستاخی یا اس کی خلاف ورزی، حکومت، آخرت کے انکار، اہانت، ملامت کی صورت میں کرے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس روح کی قابل نفرت انداز میں ملامت کرے یا مضحکہ اُڑاے کی صورت میں اہانت کرے یا خدا کے پاک نام (جو عہدنامہ قدیم و جدید میں درج ہے) کی تضحیک کرے کی سزا جیل کی سلاخیں ہیں۔

ممانعتِ اہانت پر قانون سازی کرنے والے دیگر ممالک درج ذیل ہیں:

i۔ آسٹریا: کریمینل کوڈ (Criminal Code) کا آرٹیکل نمبر 188 اور 189

ii۔ فن لینڈ: تعزیراتی قانون (Penal Code) کے باب نمبر 17 کا جزو نمبر 10

iii۔ جرمنی: کریمینل کوڈ (Criminal Code) کا آرٹیکل نمبر 166

iv۔ نیدر لینڈز: کریمینل کوڈ (Criminal Code) کا آرٹیکل نمبر 147

v۔ اسپین: کریمینل کوڈ (Criminal Code) کا آرٹیکل نمبر 525

vi۔ آئیر لینڈ: اس کے آئین کے آرٹیکل نمبر 40.6.1.i کے تحت توہین آمیز مواد کی اِشاعت ایک جرم قرار ہے؛ جب کہ 1989ء کے Prohibition of Incitement to Hatred Act کے تحت کسی خاص مذہبی گروہ کے خلاف نفرت انگیز مواد کی اِشاعت بھی جرم قرار دے دی گئی ہے۔

vii۔ کینیڈا: کریمینل کوڈ (Criminal Code) کا سیکشن نمبر 296

viii۔ نیوزی لینڈ: 1961ء کے نیوزی لینڈ کرائمز ایکٹ (New Zealand Crimes Act) کا سیکشن نمبر 123

ix۔ مسیحی دنیا میں کلیساؤں کو مقدس مقام کا درجہ حاصل ہے اور بعض یورپی ممالک میں اِس تقدس کو آئینی تحفظ بھی حاصل ہے۔ اس کی ایک مثال ڈنمارک کا دستور ہے، جس کے سیکشن نمبر 4 (State Church) کے مطابق 'Evangelical Lutheran Church کو ڈنمارک کا سرکاری کلیسا قرار دیا جائے گا اور یوں اسے ریاست کی مکمل حمایت حاصل ہوگی'۔

مندرجہ بالا قوانین اور ان کے نتیجے میں ہونے والے فیصلوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آزادیِ اِظہارِ رائے کا حق بنیادی اِنسانی حق ہے لیکن یہ دوسری آزادیوں کی طرح ایک اضافی اور مشروط آزادی ہے۔ اسلام اور اس کے بنیادی عقائد کے بارے میں ہزاروں کتابیں اور اخباری مضامین تا حال شائع ہو چکے ہیں جن میں اسلام اور اس کے بنیادی عقائد پر تنقید کی گئی ہے لیکن مسلمان علمی مباحثے پر کبھی اعتراض نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عمل اسلام کے بارے میں جاری مباحثے کا حصہ ہے اور یہ سب کچھ آزادیِ اِظہارِ رائے کی حدود کے اندر ہے۔ آج دنیا میں اخبارات میں ایسے لاتعداد مضامین شائع ہو رہے ہیں جن میں اسلام کی غلط تعبیرات پیش کی جاتی ہیں بلکہ اکثر اوقات تو اسلام اور اس کے قوانین کے بارے میں مبینہ انداز میں مکمل جھوٹ پر مبنی مبالغہ آمیز کہانیاں بھی بیان کی گئی ہیں، لیکن مسلمان انہیں نہ صرف برداشت کرتے ہیں بلکہ رواداری کا رویہ بھی اپنائے ہوئے ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لبرل جمہوریتوں پر مبنی جن معاشروں میں رہ رہے ہیں یہ سب کچھ ان کا جزوِ لاینفک ہے۔

لیکن جب اِظہارِ رائے کی آزادی کے اس حق کا غلط طور پر استعمال کرتے ہوئے اسلام کی سب سے مقدس ترین آسمانی کتاب قرآن اور مقدس ترین ہستی صاحب قرآن کی واضح طور پر توہین کی جاتی ہے تو اس سے لازمی طور پر مسلمانوں میں اِضطراب اور اِشتعال پیدا ہوگا۔

چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیر آمیز طریقے سے تصویر کشی کسی صورت میں بھی آزادی تقریر کی آڑ میں درست قرار نہیں دی جاسکتی۔ مزید یہ کہ یہ مضحکہ خیز تصاویر سہواً شائع ہونے کی بجائے خصوصاً اسلام دشمن ماحول کے تناظر میں شائع ہوتی ہیں جب کہ پہلے ہی بعض یورپی ممالک اس حوالے سے شدید مخاصمانہ تناؤ کا شکار ہیں۔

علاوہ ازیں بعض ممالک نے دہشت گردی کے خلاف قانون سازی کرتے ہوتے افراد کی شخصی آزادی پر سخت پابندیاں اس طریقے سے لاگو کی ہیں کہ کھلم کھلا ان کا اطلاق ان ممالک کے مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب طرح کی سوچ ہے کہ ایک معقول اقلیت کی مسلسل دشنام طرازی کی جاتی ہے اور وسیع طور پر میڈیا میں منفی انداز میں خاکہ کشی کی جاتی ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور پھر ذلت آمیز پابندیوں اور طریقہ کار سے انہیں اپنے روزمرہ معاملات تک کے لیے باہر جاتے ہوئے صبر آزماً مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ سب کچھ آزادی تقریر اور قومی مفاد کی روشنی میں وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہ امر باعث حیرت ہے کہ اظہار رائے کی آزادی کے نام پر ایک شخص کے مقدس عقائد کا مذاق اڑایا جاتا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ تناؤ کے اس ماحول میں اس کا ردعمل شدید تر ہوسکتا ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ میگزین اور اخباروں میں ملامت آمیز مواد کی اشاعت کی شق دراصل اپنے مکمل کنٹرول اور طاقت کے اظہار کے لیے کی جاتی ہے جس کا نشانہ مسلمان بنتے ہیں۔ خواہ اس کے نتیجے میں دوسرے کا کلچر، رہن سہن کے طریقہ کار کتنے ہی متاثر ہوں اور ان کے اس مذاق اڑانے کے عمل سے وہ کس قدر بے توقیر کیوں نہ ہوتے پھیریں۔

اس سے قبل ستمبر 2005ء میں ڈینش اخبار Jyllands Posten میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر بعض عالمی شہرت یافتہ شخصیات نے اس وقت ان توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی مذمت کی تھی اور اس امر پر زور دیا تھا کہ آزادی اظہار رائے پر بھی کچھ پابندیاں لگنی چاہیں۔ اَقوامِ متحدہ کے سابق سیکرٹری جنرل کوفی عنان (Kofi Annan) نے کہا تھا:

’میں آزادیِ اِظہارِ رائے کے حق کا اِحترام کرتا ہوں لیکن اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حق قطعاً بھی مطلق نہیں ہے۔ یہ حق اِحساسِ ذِمہ داری اور دانش مندی کے ساتھ مشروط ہے۔‘

کارکن اور کارکن کا فلسفہ

قائد ڈے کی تقریب سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد حسین آزاد // معاونت: نازیہ عبدالستار

قسط اول

مورخہ 19 فروری 2015ء کو مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن انٹرنیشنل پر قائد ڈے کی تقریب سے چیئرمین سپریم کونسل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی خطاب فرمایا جسے ایڈیٹنگ کے بعد بالاقساط شائع کیا جارہا ہے جو تمام کارکنوں اور قائدین کیلئے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ منجانب: ادارہ دختران اسلام

آج کا دن اللہ رب العزت کی ایک عظیم نعمت کے اظہار اور اس کے تشکر کا دن ہے بلکہ اللہ رب العزت کے اس دور پر اس عظیم احسان پر شکر بجالانے کا دن ہے۔ وہ قومیں وہ کارکن اور وہ وابستگان بڑے خوش قسمت، خوش نصیب اور خوش بخت ہوتے ہیں جو ہر لمحہ اپنے ہر سانس میں اللہ کی ہر نعمت کا شکر بجا لانے والے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آپ اصل کی بات کرتے ہیں مگر اس سے متعلق اس کے جمیع فروع کا ذکر اس اصل ذکر میں شامل ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات آپ کو تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ جب آپ اجمالاً یا استعارةً جب کسی اصل کا ذکر کردیتے ہیں اور اس کا تشکر عنداللہ بجالے آتے ہیں تو اندر جو بھی ہو شکر اس نعمت کا ہورہا ہوتا ہے جبکہ لوگ سمجھتے ہیں یہ شکر اس شخصیت کے لئے بجالایا جارہا ہے مگر آپ درحقیقت اصل کا ذکر کرکے اس سے متعلق جمیع نعمتوں کا ذکر کررہے ہوتے ہیں۔ دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ اس نے شجر کا ذکر کیا (شجرةً مبارکةً) پوچھنے والے پوچھتے ہیں کہ تمہیں پتہ ہے کہ اس کی اصل کیا ہے؟ اس کی جڑ کیا ہے؟ اس کا تنا کیا ہے؟ اس کی شاخیں کیا ہیں؟ اس کے پتے کیا ہیں؟ اس پر لگنے والے پھول کیا ہیں؟ اس پر لگنے والے پھل کیا ہیں؟ اس کے فوائد کیا ہیں؟

وہ کہتا ہے کہ میں ہر ایک جز کا ذکر نہیں کرتا بلکہ میں اصل کا ذکر کرتا ہوں کیونکہ میں تو جانتا ہی اصل کو ہوں، میرا تعلق ہی اصل سے ہے، میری پہچان ہی اصل سے ہے میں ذکر بھی اصل کا کرتا ہوں، میں شکر بھی

اصل کا کرتا ہوں، میرا پتہ بھی اصل سے ہے، میری معرفت بھی اصل سے ہے کیونکہ اصل مجھے جانتی ہے میں اصل کو جانتا ہوں۔ اب جس کو اصل سے نسبت مل جائے میں بھی اس کا ہوجاتا ہوں، پھل لگے یا نہ لگے، خزاں ہو یا بہار ہو، مجھے پرواہ نہیں کیونکہ میری نسبت اصل سے ہے۔تم نگاہ، بہار پر رکھ کر شجر کا ذکر کرتے ہو، تمہاری نگاہ بہاروں پہ ہوتی ہے، شادابیوں پر ہوتی ہے، سبزے پر ہوتی ہے، پھولوں پر ہوتی ہے، پھلوں پر ہوتی ہے، نتیجے پر ہوتی ہے، ثمرات پر ہوتی ہے جبکہ مجھے نتیجے سے غرض نہیں میں تو شجر کا ہوں کیونکہ میری نسبت شجر سے ہے۔ اگر شجر چاہے تو بہار آتی ہے، شجر چاہے تو خزاں رہتی ہے، شجر چاہے تو پھل آتے ہیں، شجر چاہے تو پھول آتے ہیں، شجر چاہے تو اس سال پھل آتے ہیں، شجر چاہے تو اگلے سال پھل آتے ہیں۔ مجھے پھل پھول سے غرض نہیں جب تک اس شجر بہار کا پیغام ملتا رہے گا میں جڑا رہوں گا۔ اس لئے علامہ اقبالؒ نے کہا:

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

وہ کہتا ہے کہ میں تو صرف شجر سے پیوستہ ہوں، میں بہار سے پیوستہ نہیں، میں خزاں سے پیوستہ نہیں، میں کسی پھل سے پیوستہ نہیں، کسی پھول سے پیوستہ نہیں، کسی ٹہنی سے پیوستہ نہیں، کسی تنے سے پیوستہ نہیں، مجھے اس کے ثمرات سے غرض نہیں۔ شجر چاہے تب بھی اور نہ چاہے تب بھی جڑا رہوں گا۔ دس سال تک بھی ثمرات نظر نہ آئیں تب بھی جڑا رہوں گا۔ میری نسبت ثمرات سے نہیں میری نسبت تو شجر سے ہے۔ میں سایہ اور پھل شجر سے مانگتا ہوں۔ ٹہنی سے نہیں مانگتا۔ میں ستاتا کسی ٹہنی کے ساتھ نہیں، میں تو شجر کے نیچے ستاتا ہوں شجر سایہ دے تب بھی شجر کی مرضی، سایہ نہ دے تب بھی شجر کی مرضی۔ میری نسبت اصل سے ہے، فرع سے نہیں۔ اب دیکھتا ہوں شجر نے ان فروع کو خود سنبھال رکھا ہے اور جب تک اس شجر نے ان پتوں اور ٹہنیوں کو نسبت اپنے ساتھ دے رکھی ہے۔ میں بھی انہیں اپنے پھل اور اپنی ٹہنی اور اپنے پتے کہتا ہوں۔ جب تک وہ پھل اپنے درخت سے لگے رہیں گے میں کھاتا رہوں گا، وہ میرے لئے جائز ہوں گے حرام نہ ہوں گے کیونکہ شجر کی اجازت سے کھا رہا ہوں جب تک وہ پھل اس درخت سے لگے رہیں گے میں پوچھے بغیر کھاتا رہوں گا کیونکہ میں اسے مشروع، حلال اور لیگل سمجھوں گا۔ کیونکہ میں شجر کا ہوگیا اور شجر میرا ہوگیا۔ اب جو جو شجر سے لگ گیا وہ میرا ہوگیا، میں اس کا ہوگیا اور جس دن میں نے دیکھ لیا کہ ان پھلوں کو درختوں نے اپنے سے جدا کردیا تو میں نے بھی انہیں اپنے ہاتھ سے جدا کردیا۔ میں مارکیٹ میں گیا تو وہی پھل میں نے ٹوکری میں پڑے ہوئے دیکھے۔

اب پوچھے بغیر اٹھاؤں گا تو حرام کھاؤں گا کیونکہ اب میرے شجر کی ملکیت میں نہیں ہیں۔ جب تک وہ شجر کی ملکیت میں تھے تو میں خود کو بھی اس کا مالک سمجھتا تھا۔

؎ جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا — تو نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

جب شجر نے اسے جدا کر دیا، کوئی اور مالک بن گیا، اب وہ مالک بازار میں لے گیا، سوداگر نے اس کا سودا کر لیا لہٰذا اب میرا اور اس کا تعلق ٹوٹ گیا۔ میں تو ایک ہی مالک کو جانتا تھا۔ میں تو ایک ہی مالک کا ہوا تھا۔ اب میں در در پہ جھک نہیں سکتا۔ ایک ہی در پر جھکا تھا اور جھکنے کا بھی طریقہ اس در نے سکھایا تھا۔ پھر جھکتا تھا، پھر اٹھتا تھا، غلطیاں کرتا تھا، پھر غلطیاں کرتے کرتے میں نے کھیلنے کے آداب سیکھ لئے۔ پھر من اور تن اس پر لٹاتا تھا۔ اس کی خدمت کرتا تھا۔ اب تم مجھ کو کہتے ہو کہ مالک بدل لو۔ کیونکہ پھل ادھر چلا گیا لہٰذا مالک کسی اور کو بنا لو۔ ضمیر کی آواز سنیئے! اس نے کہا تو نے تو مجھے سمجھا نہیں، میں تو اپنا سودا کر چکا ہوں۔ اب تن میرا رہا نہ دھن میرا رہا، نہ سوچ میری رہی نہ دھیان اور گیان میرا رہا۔ نہ فہم میری رہی نہ ادراک میرا رہا اور نہ چاہت میری رہی۔ اب مجھے پتہ نہیں کہ کب سے میں بکا ہوں اور کب سے وہ مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ صدیوں بعد شجرۃً مبارکۃً کسی قوم کو دیتا ہے۔ پہلے احسان کرتا ہے پھر آزماتا ہے، پھر آزما کر پکاتا ہے پھر آزما کر پرکھتا ہے، پرکھ کر پھر دوبارہ آزماتا ہے پھر پکا کرتا ہے پھر الٹاتا ہے، پھر سیدھا کرتا ہے پھر دیکھتا ہے کہ بندہ پختہ ہے تو منزل کا ایک ادراک عطا کرتا ہے پھر وہ منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ پھر مصائب بھی دیتا ہے کبھی سکون دیتا ہے اور کبھی سکوت، کبھی لیتا ہے کبھی دیتا ہے، تم سمجھتے ہو وہ دیتا رہے تو تم خوش رہتے ہو وہ کہتا ہے میں تجھے دے کر بھی سکھاتا ہوں اور لے کر بھی سکھاتا ہوں۔ تمہیں فیض دے کر بھی سکھاتا ہوں فیض چھین کر بھی سکھاتا ہوں۔ کسی نے مجھ سے پوچھا یہ فیض کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا فیض اس شے اور نعمت کو کہتے ہیں جب آئے تو پتہ نہیں چلتا۔ جب چلی جائے تو سب کو پتہ چلتا ہے۔ جب ملے تو بندہ کہتا ہے واہ کیا شے ہے، کیا طاقت ہے اور کیا جلوہ ہے، کیا جلال ہے؟ یہ سب کچھ ہے مگر وہ بھول جاتا ہے یہ کس کا ہے؟ تو اس کی ملکیت ہی نہیں تھی جبکہ وہ اسے اپنی ملکیت بنا بیٹھا۔ مالک پہلے سستا رہا تھا مگر اب جب مالک کی آنکھ کھلی تو اس نے وہ چیز واپس لے لی یعنی جس کا فیض تھا اس نے لے لیا۔ کیوں لے لیا؟ اس لئے کہ جب تک تم اس کے تھے وہ بھی تمہارا تھا، جس دن تم کسی اور کے ہوگئے اس دن اس نے وہ نعمت بھی لے لی۔ اس کا سب کچھ

تمہارا تھا۔ اس کی زبان بھی تمہاری تھی۔ اس کا کلام بھی تمہارا تھا۔ اس کا قلم بھی تمہارا تھا۔ اس کا جمال بھی تمہارا تھا اس کی ہیبت بھی تمہاری تھی اس کا کرم بھی تمہارا تھا، چلنا بھی تمہارا تھا، پھرنا بھی تمہارا تھا، بیٹھنا بھی تمہارا تھا، جمال بھی تمہارا تھا جس دن تو نے ملکیت بدل دی اس دن سب کچھ واپس ہوگیا۔ آج ہم کہتے ہیں ہم کارکن ہیں، کارکس کو کہتے ہیں؟ کام کو، کارتمہارا ہوتا ہے کن ان کا ہوتا ہے، ہم چاہتے ہیں کار بھی ان کا ہو کن بھی ان کا ہو۔ یہ تو نظام قدرت کے برعکس ہے، وہ کہتا ہے پہلے کار تو کرکے دکھاؤ۔ پہلے کار والے تو بن کے دکھاؤ۔ پہلے اس کا حق تو ادا کرکے دکھاؤ۔ جب مالک راضی ہوجائے تو کن بھی کردے گا۔ جو کام پر اور محنت اور جھد پر لگ جاتا ہے اور منزل کو جو سمجھ لیتا ہے اور راستے پر گامزن ہوجاتا ہے اور گامزن رہتا ہے اس کا نام کارکن ہے اور منزل پر جا کر کن فیکون کردینا اس کا کام ہے۔ آئندہ سے وہ شخص اپنے آپ کو کارکن کہے جو گھر میں نہ بیٹھے۔ جو گھر بیٹھ گئے وہ دنیا کے سائل تھے، وہ دنیا کے پیچھے تھے۔ آج دنیا ادھر چلی گئی تو آج ملکیتیں بدل رہے ہیں آج دنیا تھوڑی دیر کے لئے کروٹ لے گئی تم گھروں میں بیٹھ گئے، مایوس ہوگئے، حوصلے ہار گئے، کم حوصلہ ہوگئے، پست حوصلہ ہوگئے، ہمت ہار کر آنکھیں بند کرلیں اور کہتے ہیں کہ ہم کارکن ہیں۔

لہذا کارکن نے اگر کن کا مشاہدہ کرنا ہے تو کار کرتا رہے۔ سلطان محمود غزنوی بھی 16 دفعہ کار کار کرتے رہے پھر 17 ویں دفعہ کن ہوا۔ سلطان محمود غزنوی کو کن کا فلسفہ اس چیونٹی نے سکھایا جو ننانوے دفعہ چڑھتی اور گرتی تھی پھر بالآخر اوپر چڑھنے میں کامیاب ہوگئی۔ اتنا بڑا سلطان ہوکر چیونٹی سے سیکھتا ہے اور اگر اللہ ولی ہو تو کیا کچھ نہ سکھادے۔ غوث وقت مل جائے تو کیا کچھ نہ سیکھ لے اور مجدد عصر مل جائے تو کیا کچھ نہ سیکھے پھر شیخ الاسلام تمہیں صدیوں بعد ایسے مل جائیں تو کن کیوں نہ ہو؟ میرا اعتقاد سنئے! کن اس لئے نہیں ہوا کہ کار مکمل نہیں ہوا تھا۔ اگر کار اپنی حد کو پہنچ جاتا تو کن خود بخود ہوتا جاتا، اسے کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اب گھر بیٹھ کر تماشا دیکھنے والے موسیٰ علیہ السلام کا دور بھول گئے، نوح علیہ السلام کا دور بھول گئے۔ یحییٰ علیہ السلام کی قربانیاں اور زکریا علیہ السلام کا چلا بھول گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانیاں بھول گئیں۔ قرآن پڑھتے ہیں، سیرت رسول پڑھتے ہیں، تاریخی کتب پڑھتے ہیں، قائد کو سنتے ہیں اور کار پر گامزن نہیں ہوتے پھر آقا علیہ السلام کی سنت طیبہ بھول گئے۔ شعب ابی طالب میں تین سال بیت رہے ہیں مگر کار کسی نے نہیں چھوڑا۔ مکی دور میں پس رہے ہیں احد احد کررہے ہیں مگر کار کسی نے نہیں چھوڑا۔ ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں مگر کار کسی نے نہیں چھوڑا۔ حبشہ کی طرف جا کر واپس آجاتے ہیں مگر کار کسی نے نہیں چھوڑا۔ پھر بے یار و مددگار، کاروبار اور اہل عیال

چھوڑ کر مدینۃ المنورہ روانہ ہوجاتے ہیں۔

وہاں جا کر یہودیوں سے مقابلہ ہوتا ہے بڑے بڑے دشمنوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ خیبر والوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ بنو قینقاع، بنو قریضہ، سب سے مقابلہ ہوتا ہے۔ مگر کار نہیں چھوڑا پھر وہاں پر ریاست مدینہ قائم ہوتی ہے۔ کوئی حضور ﷺ کا خط پھاڑ رہا ہے، کوئی دشمنی کررہا ہے، کوئی بدر اور کوئی احد میں بلا رہا ہے، کوئی خندق میں بلا رہا ہے۔ مگر کار نہیں چھوڑا۔ صحابہ کرامؓ زخمی ہورہے ہیں۔ خود حضور علیہ السلام کا دندان مبارک شہید ہورہا ہے۔ مگر کار کسی نے نہیں چھوڑا۔ پھر چودہ سو صحابہ کرامؓ صلح حدیبیہ کے لئے پہنچتے ہیں۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام لے کر جاتے ہیں کہ مجھے بشارت ہوئی ہے کہ اللہ فتح عطا کرنے والا ہے۔ صحابہ کرامؓ فتح و نصرت اور بشارت کی تعبیر دیکھنے کے لئے جاتے ہیں جب وہاں پہنچتے ہیں تو مذاکرات کے بعد حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ احرام کھول دو۔ یہ جانور ذبح کردو کیونکہ میں نے شرائط پر دستخط کردیئے ہیں۔ لہذا واپس چلتے ہیں اس وقت بھی کار کسی نے نہیں چھوڑا۔

کسی ایک صحابہ نے عرض نہیں کی کہ کن کدھر ہے؟ آپ تو کن والے ہیں، کن کی طاقت والے ہیں، تصرف کائنات آپ کے پاس ہے، آپ تو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ آپ تو مختار ہیں۔ آپ جو چاہیں وہ ہوتا ہے جب چاہیں تب ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ سے پوچھا جاتا تو کہتے تھے کہ حضور ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ پھر مایوس ہوکر پوچھا جاتا ہے کیا یہ دین اللہ کا دین ہے؟ اور آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ مگر جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے؟ کہ اس میں کیا حکمت کارفرما ہے؟ (یعنی بس تم کار نہ چھوڑو جب وقت آئے گا کن ہوجائے گا)۔ لہذا کار کسی نے نہیں چھوڑا۔ پھر چل پڑے۔ عرض کیا اب کیا کریں فرمایا: گھر میں کیوں بیٹھے ہو چلو۔ عرض کیا یارسول اللہ! کیا کریں۔ فرمایا: کار کرو۔ اب مجھے بتائیں کہ اس وقت صحابہ کرامؓ کی کیفیت کیا ہوگی۔ اب تھوڑا سا چشم نظر میں لاکر دیکھیں کیا ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے ہوں گے۔ حوصلہ نہیں ہارے ہوں گے۔

ہمارے سترہ جون کے شہداء سلامت رہیں اللہ ان کو اپنی برکتوں میں آقا علیہ السلام کی خیر عطا کرتا رہے وہاں پھلتے اور پھولتے رہیں۔ انہیں وہاں علیین میں وہ کچھ عطا کیا جارہا ہے جو آپ کے چشم تصور میں بھی نہیں۔ وہ اپنا کار کرگئے وہ کن میں بیٹھے ہیں۔ وہ اپنی منزل پر پہنچے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں، ان کو مل رہا ہے، وہ کھا اور پی رہے ہیں کیونکہ وہ کار والے تھے۔ اللہ ان کے اہل اقارب کو سلامت رکھے۔ حوصلہ اور صبر دے ان شاء اللہ اس کا بدلہ اللہ رب العزت ضرور عطا کرے گا۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تفسیری تفردات و امتیازات

قسط نمبر 19

علامہ محمد حسین آزاد۔ ایم فل علوم اسلامیہ منہاج یونیورسٹی

منہاج یونیورسٹی کالج آف شریعہ سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تفسیری خدمات کے حوالے سے پہلا ایم فل کرنے کا اعزاز جامعہ کے ابتدائی فاضلین میں سے علامہ محمد حسین آزاد نے حاصل کیا ہے جو جامعۃ الازہر سے ''الدورۃ التدریبیۃ'' میں بھی سند یافتہ ہیں اور مرکزی ناظم رابطہ علماء و مشائخ کے علاوہ مجلّہ دختران اسلام کے مینجنگ ایڈیٹر ہیں جن کا مقالہ قارئین کے استفادہ کے لئے بالاقساط شائع کیا جارہا ہے۔

۷۔لا اکراہ فی الدین کے تفسیری معارف

دین اسلام کے خلاف متعصب غیر مسلم مفکرین اور مورخین و مستشرقین نے ارادی طور پر غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام جبر و تشدد کا دین ہے نیز اسلام کے تصور جہاد کو ایک بھیانک تصویر میں ڈھال کر یہ تاثر دینے کی سازش کی جاتی رہی ہے کہ اسلام خون ریزی اور قتل و غارت گری کا دین ہے۔ اشاعت اسلام کے ضمن میں یہ کہ کر کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے بالکل غلط اور یکسر خلاف حقیقت نظریہ ابھارنے کی سازش کی گئی ۔ اس تصور کے تحت قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی حربی زندگی کی تصویر یوں پیش کی گئی کہ وحشی اور جاہل خونخوار بدوٶں کے غول نیزوں اور تلواروں کی جھنکار میں سیل بے پناہ کی طرح دنیا میں پھیل گئے ۔ مذہبی جنون سے مغلوب ہوکر آستینیں چڑھائے شعلہ فشاں آنکھوں اور خون سے تر بتر داڑھیوں کے ساتھ جس سمت گئے لوگوں کو جبراً کلمہ پڑھاتے گئے اور انکار کی صورت میں خون کی ندیاں بہاتے گئے۔ مال واسباب لوٹ کر جبراً اپنی حکومت قائم کرتے گئے۔ بربریت اور بہیمیت کی شکل میں آگ اور خون کی ہولی کھیلتے اللہ اکبر کے نعروں کی گونج انسانوں کے سال ہا سال کی محنت سے سجے ہوئے تمدن ،علم وعمرانیات، عدل و انصاف ،عفت وعصمت کے پھولوں کی کیاریوں کو تہس نہس کرتے ہوئے ویرانوں میں تبدیل کرتے گئے ۔ نیز انہوں نے اپنی خون آشامیوں سے جگہ جگہ ٹوٹی ہوئی سلیبوں اور زنّاروں کے ڈھیر لگا دیے۔ مندر ویران اور گرجے مسمار کر دیے۔ بچوں ،

بوڑھوں اور مردوں کو قتل کر کے عفت مآب عورتوں کو لونڈیوں کی صورت میں نشانہ حوس اور جنس پرستی کا ذریعہ بنایا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے اس دور زوال کے باعث بعض مفاد پرست اسلام دشمن حلقوں نے یہ تاثر بھی پیدا کر دیا کہ مسلمانوں کے دینی طبقات آپس میں اسقدر متصادم ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کیلئے ناقابل برداشت ہے اور فی الواقع عصر حاضر میں الا ما شاء اللہ بعض ایسے مذہبی طبقات نے جنم لیا جن میں سے ہر ایک بزعم خویش صرف اپنے آپ کو ہی دین حق کا علمبردار سمجھنے لگا اور اختلاف رائے کا حق سلب کرتے ہوئے دوسروں کو رفیق سفر جاننے کی بجائے انہیں جزبہ رقابت سے دیکھا جانے لگا۔ نتیجۃً یہ جنون کشیدگی کا باعث بنا۔

دین اسلام کے روشن چہرے کو تاریک کرنے کی مذکورہ مکروہ سازش کو ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنے ایک درس قرآن میں نہ صرف بے نقاب کیا بلکہ انہوں نے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے اپنے مخصوص علمی وفکری انداز میں **لا اکراہ فی الدین** کے حوالے سے دلائل کے ایسے انبار لگائے جس سے دین اسلام کے دہشت گرد، تنگ نظر اور پر تشدد ہونے کے تمام تر الزامات واعتراضات کے بادل چھٹ گئے اور دین اسلام کا حسین چہرہ روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا۔ نیز اسلام کا تصور محبت و رواداری بھی اپنے اصلی روپ میں نکھر کر سامنے آ گیا۔ یہی آپ کا تفرد و امتیاز اور خاصہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب ’’لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ‘‘ میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ کا حوالہ دے کر رقم طراز ہیں:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قف قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۝ لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝(البقرہ ۲:۲۵۶)

’’دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔ بے شک ہدایت کی راہ گمراہی سے صاف جدا ہو چکی ہے اب جو کوئی گمراہ کرنے والوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال سنتا اور (نیتوں کو) خوب جانتا ہے۔‘‘

سب سے پہلے اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حصین انصاریؓ جو قبیلہ بنی سالم بن عوف سے تعلق رکھتے تھے جب اسلام لائے تو انکے دو بیٹے نصرانی تھے۔ شفقت پدری کے پیش نظر وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح انکے بیٹے بھی دربار رسالتمآب ﷺ کے خوشہ چیں بن جائیں اور اسلام کی برکتوں سے مستفیض ہوں۔ اپنے طور پر کافی کوشش کے بعد ایک دن حضرت حصین انصاریؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: آقا ﷺ

!مجھے اجازت ہو تو میں اپنے بیٹوں کو کچھ ڈرا دھمکا کر اسلام قبول کرنے پر مجبور کروں؟ کیونکہ مجھے انکا نصرانی رہنا بہت شاق گزرتا ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا کہ ’’ دین اسلام میں کوئی زبردستی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت دونوں راستے واضح کر دیے ہیں۔ دین کے بارے میں کسی کو زبردستی مجبور نہ کیا جائے ، اللہ نے کھلی ہدایت دینے کے بعد لوگوں کو اختیار دے دیا ہے ۔‘‘

(ابن کثیر ،ابولفداء اسماعیل بن عمر،تفسیر القرآن العظیم، بیروت ، لبنان، دارالمعرفۃ، ج ا،ص ۳۱۱)

ڈاکٹر صاحب نے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ کے بارہ مفہوم اپنی مذکورہ کتاب میں تحریر کیے ہیں۔چوتھے مفہوم میں دینی طبقات کے رویہ پر مثبت تنقید کرتے ہوئے ایک بڑی اہم بات لکھتے ہیں:

’’مندرجہ بالا آیت قرآنی سے یہ حقیقت خوب اچھی طرح آشکار ہوگئی کہ مسلمانوں کی ذمہ داری صرف ابلاغ ہے۔حالانکہ ایک کافر کو دائرہ دین میں لانا بہت بڑی سعادت ہے اور مسلمانوں کے حق میں یہ کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت سے اُسے صرف آگاہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکمت وتدبر اور دلائل کے ساتھ دعوت دینے کا مکلّف بنایا ہے لیکن اتنی بڑی نعمت کے حصول کے لیے اس پر کسی قسم کی سختی کرنے سے منع فرمایا ہے ۔لمحہ فکریہ اور کتنا افسوس ناک امر ہے کہ آج بذات خود مسلمان ایک دوسرے کو اختلاف رائے کی گنجائش نہیں دیتے۔ اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے ہم لوگ اپنی بات منوانے اور اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے کتنی سختیاں کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر عجیب وغریب تہمتیں ،الزام تراشیاں حتیٰ کہ بدنامی کا ہر وہ حربہ اپناتے ہیں کہ فریق مخالف بے بس ومجبور ہو کر یا تو اپنے موقف سے ہٹ جائے یا پھر ملک چھوڑ کر بھاگ جائے اور بعض اوقات معاملہ موت سے ہمکنار کر دینے کی دھمکیوں پر بھی آ جاتا ہے۔قرآن کریم لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ کے ذریعے ہم سب کو اس روش بد سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے اور ہمیں یہ سبق دے رہا ہے کہ ہم اپنے قلب ونظر کو وسعت دیکر ایک دوسرے کا نقطۂ نظر سنیں ۔ دلائل و براہین سے ایک دوسرے کو قائل کریں۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنی بات منوانے کیلئے کسی مسلمان بھائی کا جینا حرام کر دیا جائے۔فرائض نبوت سے آگہی کے بعد یہ بات بخوبی سمجھ آ جاتی ہے کہ جب کوئی نبی کسی کو زبردستی اپنی بات منوانے کا مکلّف نہیں اور نہ ہی اسکی ذمہ داری میں یہ شامل ہے کہ کسی کو جبراً ایمان لانے پر مجبور کرے تو عام مسلمانوں کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جسے جی چاہے کافر ومشرک اور بے دین قرار دے دیں؟‘‘ (طاہر القادری ،ڈاکٹر محمد طاہر القادری، لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ، لاہور ، پاکستان ،منہاج القرآن پبلیکیشنز، ص ۲۶)

لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ کا چھٹا اور ساتواں مفہوم بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد طاہر القادری اسکے مثبت اور

منفی پہلوؤں کا ذکر کر کے دونوں میں تطبیق کرتے ہوئے مسالک کے درمیان موجود فرقہ واریت اور دہشت گردی کے خاتمے کے حل پر مشتمل نہایت اہم استنباط و استخراج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جب کسی مسلمان شخص کے سینے پر گولی رکھ کر اس کو کلمہ کفر پر مجبور کیا گیا اور اسے اپنی جان بچانے کیلئے کفریہ کلمات بادل نخواستہ زبان پر لانے پڑے تو اسے کافر نہیں سمجھا جائے گا۔ اسلام کے معیار حسن خلق پر اس سے بڑھ کر اور کیا شھادت ہوگی کہ کلمہ کفر زبان سے صادر ہو رہا ہے لیکن اسلام محض اسکے ظاہر پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اس کے پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسکی دلی کیفیت پر انحصار کرتا ہے۔'' ارشاد فرمایا گیا:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ . (النحل ۱۶:۱۰۶)

''جو کوئی اللہ پر ایمان لانے کے بعد منکر ہو جائے سوائے اس حالت کے اس پر زبردستی کی گئی اور اسکا قلب ایمان کی لذّتوں سے مطمئن ہے۔''

مراد یہ کہ اگر سخت مجبوری کی حالت میں کوئی کلمہ کفر زبان پر لے بھی آئے لیکن اسکا دل نور ایمان سے منور ہو اور قرائن و شواہد بھی بتا رہے ہوں کہ اسکی قلبی کیفیت ایمان کے ساتھ اطمینان بخش ہے تو اسکی اس اضطراری حالت کو مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔ اس مفہوم کی تائید امام راغبؒ (م ۵۰۲ ھ) نے بھی مفردات میں کی ہے۔

انہ لا حکم لمن اکرہ علی دین باطل فاعترف بہ و دخل فیہ. (راغب، حسین بن محمد الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، کراچی، پاکستان، نور محمد اصح المطابع، ص ۴۲۹)

''اس آیت کے معنی یہ بھی ہیں کہ اگر مسلمان کو دین باطل کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور زبان سے اقرار کر کے اس دین میں داخل ہو جائے تو اس پر کفر کا حکم عائد نہیں ہوتا۔''

بیان کئے گئے اس چھٹے مفہوم کا اطلاق لا اکراہ فی الدین کے مثبت پہلو پر تھا کہ کسی نے بحالت مجبوری کلمہ کفر زبان پر لایا مگر اسکے قرائن و شواہد کی وجہ سے وہ بدستور مسلمان ہی رہے گا۔ بحمداللہ وہ کافر نہیں بنتا بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

اس آیت کے مفہوم کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جس کا اطلاق اسکے منفی پہلو پر ہے وہ یہ کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم قوم پر غالب آ جائیں اور مغلوب کفار میں سے کوئی شخص ایسا ہو جسکے متعلق وثوق ہو کہ یہ کافر ہے اب اگر وہ اسلام کا کلمہ زبان پر لے آئے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے تو قطع نظر اس کے کہ وہ بظاہر مجبور و مغلوب ہے اور اسے جان کا خطرہ ہے کہ شائد اسی لئے اس نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ لا اکراہ فی الدین کے تحت اسکے متعلق اسلام اتنی وسعت نظری کا مظاہرہ کرتا ہے کہ اس کی پچھلی حالت سے صرفِ نظر کیا جائے گا اور ظاہری

موجودہ کیفیت پر قیاس کر کے اس کو مسلمان سمجھا جائے گا۔

حضرت اسامہؓ نے ایک جنگ کے موقع پر ایسے ہی نو مسلم کو قتل کر دیا جس پر آنحضور ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے اور حضرت اسامہؓ کی اس غلطی پر آیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ (النساء،۴:۹۴)

''اور جو شخص تم کو سلام کرے تو اس سے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے (یہ نہ سمجھو کہ وہ کافر ہے اور دھوکہ دے رہا ہے)''

مذکورہ بالا دونوں مفاہیم سے **لا اکراہ فی الدین** کے تحت اسلام میں تصور رواداری کے دو پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ پہلے تو اسلام نے مسلمانوں کے کلمہ کفر زبان پر لانے پر اسکی قلبی کیفیت پر انحصار کیا اور اس کے ظاہر سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اسکو بدستور مسلمان سمجھا لیکن دوسرے مقام پر جب کوئی کافر بظاہر غلبہ کی وجہ سے ہی اگر کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے تو یہاں اس کی ظاہری حالت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس کا دل دیکھا جائے گا۔ اسی لئے فرمایا: **لَا تَقُولُوا لَسْتَ مُؤْمِنًا** (کسی نو مسلم کو مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو) تمہیں کیا خبر اس کے دل کی کیفیت کیا ہے؟ دلوں کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی کو اس کی پہلی حالت کفر پر قیاس کرتے ہوئے اس کے اسلام کو مجبوری سمجھو بلکہ قرآن نے اسی آیت میں تھوڑا آگے جا کر مسلمانوں کو تنبیہ کی:

كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ . (النساء،۴:۹۴)

''اسلام لانے سے پہلے تم بھی اسی طرح (کافر) تھے''

مراد یہ ہے کہ ابتدا میں تمہاری بھی زبانی شہادت پر اعتبار کر لیا گیا تھا اور اب تم خود دوسروں کی زبان پر اعتماد نہیں کر رہے۔ مندرجہ بالا ہر دو مفاہیم پر اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اللہ نے اپنے بندوں کیلئے رحمت وشفقت اور سہولت کا پہلو زیادہ پیش نظر رکھا ہے۔ وہ کتنی رحمتیں کرنے والا رب ہے اور ہم ہیں کہ اسکے بندے کہلانے کے باوجود ہر لمحہ دوسروں کے کمزور پہلو کی جستجو میں مصروف رہتے ہیں۔ ہماری ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے مد مقابل کے نقائص اور عیوب کی ایک لمبی فہرست تیار کر کے ہزار ہا دیگر ایمانی اوصاف کے باوجود اسکو اسی نقطۂ نظر سے خود بھی دیکھیں اور جہاں تک ہو سکے اس کے نقائص اور بشری کمزوریوں کا چرچا کیا جائے۔ اگر کسی شخصیت کے ننانوے پہلو اسلام کے عین مطابق ہوں اور ایک پہلو بھی کمزور دکھائی دے تو ہم ان ننانوے پہلوؤں کو پس پشت ڈال کر صرف ایک کمزور پہلو کو اچھالتے ہیں۔

آج ہماری ساری کاوشوں کا مدار اس نقطہ پر ہوتا ہے کہ کسی شخص کا کہیں سے کافر ہونا ثابت ہو جائے اور ہم اسکے کفر کا فتویٰ صادر کر کے اپنے ''تبلیغ دین'' کے فریضے سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ ہم اپنی پوری تبلیغی مساعی کا زور اس پر منحصر رکھتے ہیں کہ پوری زندگی کسی ایک شخص بالخصوص کسی عالم دین کو کافر بنا دیں یا کسی نہ کسی طرح اس کا کفر ثابت ہی کر دیں۔

؎ عجب واعظ کی دینداری ہے یا رب
عداوت ہے اسے سارے جہاں سے

کتنے افسوس کا مقام ہے اور دین کے ساتھ کتنا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے انبیاء و رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، بزرگان دین اور دیگر صلحاء امت رحم اللہ علیہم اجمعین کی تعلیمات تو یہ بتاتی ہیں کہ حتی المقدور کسی کافر کو مومن بنانے کی کوشش کرنی چاہئے خواہ کمزوری ہی سہی مگر کسی کو بھی دائرہ اسلام میں لے آئے تو عنداللہ فریضۂ دعوت دین ادا ہو گیا مگر آج کا مبلّغ اور دعوت دین حق کا دعویدار اپنی ساری توجہ غیر مسلم کو حلقہ ایمان و اسلام میں داخل کرنے سے زیادہ ایک مسلمان، مومن کو کافر بنانے پر مرکوز کر رہا ہے۔

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے اور اپنے رویّوں پر نظر ثانی کر کے یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کتنے کامل مسلمان ہیں۔ اگر ہم اپنے ضمیر میں جھانک کر دیکھ لیں اور اپنے آپ کو تول لیں تو کسی کے بارے میں ایسا کہنے کی جرأت نہ کریں۔

تبلیغ کے باب میں اسلامی تعلیمات کا مدّعا تو یہ ہے کہ اگر کسی میں ایک فیصد بھی اسلام کے آثار ہوں اور وہ کسی دیگر دین کی طرف شدّت سے مائل ہو تو بھی اس کو اپنے قریب لے آؤ اور آہستہ آہستہ حکمت و موعظمت سے اس کی اصلاح کی کوشش کرو۔ لیکن اب ہمارا حال یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ننانوے فیصد ایمانی پہلوؤں کے باوجود یہ نہیں سوچتے کہ اسکے اس گوشے کو بھی شامل ایمان کیا جائے اور اسکی اس معمولی سی خامی کو دور کر دیا جائے بلکہ اس کو اتنا اچھالتے ہیں کہ رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے۔ اور وہ ردِعمل کے طور پر اس نتیجے پر آ جائے کہ باقی ننانوے گوشوں سے بھی محروم ہو جائے ہم اسے دھکے دے کر جب تک کفر کی سرحد میں داخل نہیں کر دیتے۔ اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔(طاہر القادری، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ، لاہور، پاکستان، منہاج القرآن پبلیکیشنز، ص ۴۸ تا ۵۳)

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر63 پر لا اکراہ فی الدین کا بار ہواں اطلاق بیان کرتے ہوئے مرتد کی سزا کی حکمت کے حوالے سے ایک بڑی اہم گتھی سلجھائی ہے اور اسلام پر ہونے والے بہت بڑے اعتراض کا مسکت جواب دیا ہے جو آپ کا خاصہ اور امتیاز ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

''بعض لوگ **لا اکراہ فی الدین** کے مفہوم کو غلط معنوں میں لیتے ہوئے کسی مرتد کی سزائے موت پر اس سے بچاؤ کی خاطر اس آیت کو دلیل بناتے ہیں کہ! اس آیت کے تحت تو دین میں کسی قسم کی سختی نہیں ہے جس کا جی چاہے اسلام کو چھوڑ دے۔ اگر ہم نے اپنی مرضی سے اپنا مذہب چھوڑ دیا اور دوسرے مذہب کو اپنا لیا تو ہمیں قتل کیوں کیا جاتا ہے؟ ہمیں سزائے موت کیوں دی جاتی ہے؟ یہ تو سراسر سختی اور زبردستی ہے اور مجبور کر کے مسلمان رکھنے کے مترادف ہے جو کہ اس آیت کے مدعا کے خلاف ہے۔''

ان کا یہ اطلاق اور مفہوم مدعاءِ اسلام کے بالکل خلاف ہے اسکی مختصر حکمت آگے چل کر آئے گی۔ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث کو دیکھتے ہیں جس میں فرمایا گیا:

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ . (بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم مغیرہ، صحیح البخاری، دمشق، بیروت، دار ابن کثیر، ج ۶ ،ص ۲۵۳۷)

''جو دین (اسلام) کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرے اسے قتل کر دو۔''

حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مرتد واجب القتل ہے مگر طریقہ یہ ہے کہ اس پر وقتاً فوقتاً اسلام پیش کرو اسکی حرکات وسکنات ملاحظہ کرو حجت تمام کر لینے کے بعد اسے قتل کرو۔

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس سے قبل سب مفاہیم میں **لا اکراہ فی الدین** کے تحت کافر کو ہر صورت میں امن ہی دیا جاتا رہا ہے۔ مگر یہاں اکراہ کی ممانعت کا حکم نہیں لگتا یعنی کوئی کافر تھا تو کوئی حرج نہیں اس پر اکراہ کی ممانعت کی ۔ اسکو مسلمان بنانے کیلئے مجبور نہ کیا جائے لیکن مسلمان ہو کر جو کافر ہو جائے اس کے لئے عدم اکراہ کی ممانعت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔امت دعوت ۲۔امت اجابت

امت دعوت میں پوری کائنات انسانی شامل ہے جنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا اور ابھی تک کافر ہیں وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت دعوت میں شامل ہیں۔

امت اجابت میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ اسلامی ریاست میں کافر کو بھی تمام شہری حقوق اسی طرح حاصل ہوتے ہیں جس طرح مسلمانوں کو۔ انکی جان، مال، عزت و آبرو کی

حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ انہیں اپنے مذہب پر رہتے ہوئے جو مراعات حاصل ہوں دی جائیں۔ اسلامی ریاست انہیں جبراً مسلمان بننے پر مجبور نہیں کرسکتی۔ اسی طرح اسلامی ریاست پر دیگر حقوق کے تحفظ کے ساتھ مسلمانوں کے مذہب کا تحفظ بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کیلئے تمام حرام امور کی ممانعت کی گئی اور ان سے باز رکھنا اسلامی ریاست کا فریضہ قرار دیا۔ مثلاً فسق و فجور، بغاوت و سرکشی، چوری، ڈاکہ، زنا، قتل و غارتگری جیسے جملہ امور جو انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے متعلق ہیں انکے تحفظ کی حکومت ذمہ دار ہے۔

اسلام نے حکم دیا کہ جو لوگ اسلام میں آ گئے یا پیدائشی مسلمان ہیں انکے لئے اسی دین پر قائم رہنا بہتر ہے اسلئے کہ جو مسلمان ہو کر پھر کفر اختیار کرے اسکا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔ اسکی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو رہے ہوتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں مسلمان ہو کر رہنے والے شخص کے ایمان، اسلام اور مذہب و دین کا تحفظ بھی ریاست پر اسکی جان و مال و عزت و آبرو کے تحفظ کی طرح ضروری ہے۔

اسلامی ریاست میں جس طرح کسی کی جان و مال پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر اٹھائے گا تو قانون نے اس کی سزا، جرم کی نوعیت کے حساب سے قتل تک رکھی ہے۔ اسی طرح عزت و آبرو پر کوئی نظر بد سے نہیں دیکھ سکتا ورنہ کوڑے اور رجم کی سزا ہے۔ اس سب کیلئے ریاست نے تحفظ دیا ہے مگر ارتداد وہ جرم ہے کہ دولت ایمان لُٹ جانے کی صورت جسکی تلافی ناممکن ہے یہ سب سے بڑا خسارہ اور نقصان ہے جو انسان خود اپنے ہاتھوں نادانی میں کرتا ہے لہٰذا یہاں بھی دین، انسان کو اس نقصان پر اسے روکنے کیلئے قتل کی سزا لگا رہا ہے تاکہ اسکو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور آئے روز اپنا مذہب تبدیل نہ کرتے پھریں۔

اگر ریاست جان و مال، عزت و آبرو جیسے نقصان پر قتل کرسکتی ہے تو ضیاعِ ایمان جیسے عظیم نقصان پر اسکے قوانین حرکت میں نہ آئیں! یہ ریاست کی کوتاہی اور بد دیانتی ہے۔ جب مرتد اس جرم کو اپنی ذاتی مرضی اور آزادی سے تعبیر کرتا ہے تو اس کو یہ سمجھانا ریاست کے فرائض میں شامل ہے کہ یہ اسکی آزادی کا مسئلہ نہیں نادانی اور کم عقلی اور بدبختی کا نتیجہ ہے وہ نادانی سے خود اپنی ایمان کشی کرتے ہوئے ہلاکت کے گڑھے میں گر رہا ہے۔

ترکِ دین پر یہ سزا اس لئے عائد کی گئی ہے تاکہ مسلمان ہونے کے بعد وہ شخص اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہ ہو جائے۔ اس لحاظ سے بظاہر یہ سزا سخت نظر آتی ہے مگر فی الحقیقت اسکے حق میں اتنی مفید ہے کہ اسکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر سختی یا مجبوری کی بات ہوتی تو کافر کو مسلمان بنانے پر یہ قانون عمل میں آتا لیکن

اسے مسلمان بنانے پر قطعاً سختی نہیں کی جارہی چونکہ وہ غیر ہے۔ اسکے تحفظ کا اہتمام کیا جارہا ہے لیکن مسلمان اپنا ہے اس لئے اسکو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ دامنِ اسلام سے کھسک کر ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں گر جائے۔ اسلام میں آجانے کے بعد اس پر قائم رہنا اسکا ذاتی مسئلہ نہیں رہے گا بلکہ امّت مسلمہ کی اجتماعی ذمّہ داری ہے۔ اس لئے اگر اس پر سختی کی جائے تو یہ **لا اکراہ فی الدّین** کے منافی نہیں۔ **دخول فی الدّین** کے لئے تو اکراہ منع ہے مگر **خروج من الدّین** سے روکنے کیلئے اکراہ ، اکراہ نہیں ۔ یہ تحفظّ دین ہے۔

اسلامی نظام حکومت کا سیکولر نظام حکومت سے تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ایک اور اہم اور قابل غور نکتہ کی نشاندہی کی ہے جس سے انہوں نے مخالفین کی طرف سے دین اسلام پر کیے گئے بہت بڑے اعتراض کا رد کیا ہے جو بلاشبہ اُن کا امتیازی وصف ہے ۔وہ اپنی مذکورہ کتاب ''لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ'' میں لا اکراہ فی الدین کی تفسیر کرتے ہوئے صفحہ نمبر ۶۷ پر رقم طراز ہیں:

''سیکولر نظام حکومت میں مذہب کو نجی زندگی سے متعلق تصور کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہاں حکومت سے بغاوت سب سے بڑا جرم تصور کیا جاتا ہے جبکہ مذہب سے متعلقہ امور کی بغاوت پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی لیکن اسلامی نظام حکومت میں مرکزیت و حاکمیت تو ہوتی ہی اللہ کی ہے اسلئے یہاں مذہب کوئی نجی معاملہ نہیں بلکہ اسلامی حکومت کا مقصد اوّلین ہوتا ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے قوانین کو انسانوں میں نافذ العمل بنائے اور مذہب کیا ہوتا ہے؟ یہی قوانین الٰہیہ اور کتاب وسنت سے ماخوذ معاملات ۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کو یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ اس میں کوئی شخص اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کرے یا اللہ سے بغاوت اختیار کرے۔ مذہبی امور کی بغاوت میں سب سے زیادہ قابل گرفت جرم ارتداد ہے اور یہ سزا اسے اسلئے بھی دی جاتی ہے کہ وہ مرتد ہو کر اللہ کی حاکمیت میں اسکے اصولوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔

عصر حاضر کے بعض حلقوں میں کچھ لوگ اسلامی نظام تعزیرات پر انگشت اعتراض بلند کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ حکومت اپنے وضع کردہ قوانین کی خلاف ورزی اور بغاوت پر اگر کسی کو سزا دیتی ہے تو کوئی اعتراض نہیں کرتا مگر قوانین خداوندی کی کھلے بندوں اور سر عام مخالفت پر پہلے نوٹس ہی نہیں لیا جاتا اور اگر ایسا ہو جائے تو یہ سیکولر سوچ کے حامل شور و غوغا کرتے ہیں کہ اسلام میں وحشت و بربریت ہے ۔ان سے کوئی پوچھے کہ مجازی اور دو روزہ حاکم کی بغاوت موجبِ قتل جرم قرار دیا جائے اور حاکم حقیقی و قادر مطلق سے ارتداد نجی مسئلہ سمجھا جائے؟ **فاعتبروا یا اولی الابصار** . (طاہر القادری ،ڈاکٹر محمد طاہر القادری،لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ،لاہور ، پاکستان ،منہاج القرآن پبلیکیشنز،ص ۶۳ تا ۶۸)

تقدیرِ امم کیا ہے؟

عائشہ بتول

قوموں کے عروج و زوال کا مطالعہ کریں تو ان کی کامیابی و ناکامی میں یہی چیز مشترک نظر آتی ہے جنہوں نے اس نقشہ دنیا پر رہ کر محنت وجستجو اور جہد مسلسل کی زندگی بسر کی۔ حوادثات و مصائب کا بھرپور تحمل و برداشت اور قوت سے مقابلہ کیا۔ مشکل اور کڑے وقت پر حوصلہ مندی اور خود اعتمادی کا ثبوت دیا۔ سست روی، کاہلی، عیش و آرام، راحت نفس کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ کامیابی نے ایسے ہی لوگوں کے قدم چومے ہیں۔ منزل نے ان اوصاف کی حامل اقوام کا آگے بڑھ کر استقبال کیا ہے۔ اس کے برعکس جن قوموں نے تعیش پسندی، تن پسندی، نفسانی زندگی بسر کی ہے ان اقوام کا ستارہ اقبال بہت جلد غروب ہوجاتا ہے اور یہ تاریخ کے اوراق میں قصہ پارینہ بن کر رہ گئے۔ اسی کو علامہ اقبال نے یوں فرمایا ہے:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

علامہ نے اس شعر میں یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ قوموں کے عروج کا دور وہ ہوتا ہے جب وہ مسلسل محنت اور لگن سے معمور ہوں۔ وہ اپنے مقصد سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوں، ان کی ہمت و طاقت چیتے کی مانند ہو اور ان کی نظر شاہین کی طرح ہو مگر جب یہی قوم اپنے آباؤ اجداد کے اوصاف کو ایک ایک کر کے ترک کرنے لگتی ہے تو وہ سامان تعیش سے بھرپور زندگی گزارنے کی عادی ہوجاتی ہے۔ اسی غفلت و لاشعوری کی حالت میں اللہ تعالیٰ ان پر ایسی قوم کو مسلط کر دیتا ہے جو ان کی اصلاح اور درستگی کا کام سرانجام دیتی ہے جو اپنے پے درپے حملوں کے ذریعے اس سوئی ہوئی قوم میں بیداری پیدا کرتے ہیں۔ ذیل میں چند ایک تاریخی واقعات کو بیان کیا گیا ہے جس کے ذریعے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ جہد مسلسل اور عمل پیہم ہی انسان کے لئے کامیابی کے میدان مہیا کرتی ہے۔ اس کے برعکس لاپرواہی، غفلت شعاری، عیش کوشی اور آرام طلبی کی دنیا میں رہ کر ترقی و خوشحالی کو کبھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو ہی لے لیں کہ جسانی اعتبار سے بالکل نحیف، جنگ کے وسائل و اسباب بھی

پوری طرح میسر نہیں لیکن اس کے باوجود ایمان و اسلام سے وابستگی نے ان کے اندر وہ قوت و ہمت خوداعتمادی و خودشناسی کی وہ لہر پیدا کردی تھی کہ جس طرف رخ کرتے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ لوگ ان کے چاہنے والے بن جاتے تھے، جب صحابہ کرامؓ ایران و روم میں فاتحانہ شان کے ساتھ داخل ہوئے تو وہاں کے باشندوں نے ان کی خستہ حالی دیکھ کر یوں سمجھا کہ شاید ان کے پاس پہننے کو کپڑے نہیں۔ اگر انہیں کپڑے اور زندگی گزارنے کا کچھ سامان دے دو تو وہ یہاں سے الٹے پاؤں واپس چلے جائیں گے جبکہ اسی سادگی نے انہیں کامیابی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ پیادہ اور اپنے غلام کو اونٹ پر بٹھائے ہوئے خود نکیل تھامے ستر سے زائد پیوند لگے کپڑے پہنے جب بیت المقدس میں داخل ہونے لگے تو حضرت عبیدہ بن جراح گورنر شام نے ان سے کہا: اے امیرالمومنین! آپ تھوڑی دیر کے لئے ان پیوند زدہ کپڑوں کی بجائے میرے کپڑے پہن لیں یہ لوگ اچھا گمان نہیں کریں گے۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں جو عزت دی ہے یہ عزت ہمیں اسلام کی بدولت ملی ہے نہ کہ ان قیمتی پوشاک سے (الفاروق:۱۵۵)

مزید یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شخصیت بھی اسلام کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ جنہوں نے اپنے دور حکومت میں ہر اعتبار سے دور رسالت اور دور خلفائے راشدین کے عہد کی یاد تازہ کردی اور ان کو خلیفہ خامس کہا جاتا ہے۔ مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''ایک قریشی کہتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مختصر مدت خلافت میں یہ حال ہوگیا تھا کہ لوگ بڑی بڑی رقمیں زکوۃ کے لئے لے کر آتے تھے کہ جس کو مناسب سمجھا جائے دے دیا جائے لیکن مجبوراً واپس کرنی پڑتی تھیں کہ کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت،ا:۵۰)

ان ظاہری برکات کے علاوہ بڑا انقلاب یہ آیا کہ لوگوں کے رجحانات بدلنے لگے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں نوافل اور ذکر و اذکار اور عبادات، گفتگو اور مجلسوں کا موضوع بن گیا جہاں چار آدمی جمع ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتے کہ تمہارا رات کیا پڑھنے کا معمول ہے؟ تم نے کتنا قرآن ختم کیا؟ مہینے میں کتنے روزے رکھے؟ (تاریخ دعوت وعزیمت)

سلطان صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی بازیابی کا کارنامہ

صلاح الدین ایوبی اسلام کے وہ سپوت ہیں جنہوں نے 27 رجب 583ھ کو قبلہ اول بیت المقدس کی بازیابی کا وہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس پر 90 برس سے صلیبی قابض چلے آرہے تھے۔ اللہ رب العزت نے ان سے یہ عظیم کام یوں ہی نہیں لیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو ساری زندگی جوکھوں میں ڈال کر اپنے آپ کو اس عظیم خدمت کا اہل ثابت کروایا۔ اگر ان کی زندگی کا جائزہ لیں تو ان کی زندگی کا بیشتر حصہ مجاہدانہ اور سپاہیانہ

طرز انداز میں گزرا۔ یہ صرف ایک ہر دلعزیز سپاہی، محبوب قائد اور سپہ سالار ہی نہ تھے بلکہ اعلیٰ تنظیمی قابلیت اور قائدانہ خصوصیت کے بھی مالک تھے۔ ہر وقت اسلام کی سربلندی کے حوالے سے متفکر رہتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کی مجاہدانہ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ابوالحسن ندوی یوں لکھتے ہیں:

قاضی ابن شداد کہتے ہیں: جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ و پے میں سما گیا اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا، اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہتی تھی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف متوجہ ہوتے۔ اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انہوں نے اپنی اولاد اور اہل خانہ کو خیر باد کہا اور ایک خیمہ زن زندگی پر قناعت کی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت، ۲،۲۶۴،۲۶۳)

اگر صلاح الدین ایوبی کے کاموں میں سے صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ کس نے یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا حوصلہ مند انسان اور جلالت و ہیبت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا۔ (مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۱۷۲)

پھر آج بھی بیت المقدس اور اس کی سرزمین اس جیسے باحوصلہ، صاحب عزم، بیدار مغز قائد اور مجاہد کی منتظر ہے جو مسلمانوں کے اس قبلہ اول کو یہودیوں کے ناپاک خون و استبدادی پنجوں سے نکال کر اس کی سابقہ حالت پر لوٹادے۔ جب تک مسلمان جوان مردی کے جوہر دکھاتے رہے۔ پوری دنیا میں فتح و امتیاز کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے لیکن جب انہوں نے عیش پرستی اور تن کوشی کو اپنا شعار بنا لیا تو ذلت و پستی ان کا مقدر ٹھہری۔

مغلیہ دور کے عروج و زوال کی داستان

ہندوستان میں مغلیہ دور کی بنیاد۹۳۳ سے۱۱۵۴ میں بابر کے ہاتھوں پڑی جس کے تخت پر یکے بعد دیگرے کئی طاقتور بادشاہ متمکن ہوئے۔ اسی سلطنت کے آخری بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر تھے۔ جو اپنی امانتداری، نیک طبیعت، اپنے اوصاف عالیہ، فتوحات کی کثرت اور دائرہ اسلام کی وسعت کی وجہ سے پوری تاریخ میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے 90 سال کی عمر پائی اور نہایت شان و شوکت اور طمطراق سے پچاس سال تک حکومت کی۔ ان کی وفات 1188 میں ہوئی۔ اس کی سلطنت کابل کندھار سے لے کر دکن تک تھی۔ اس وسیع و عریض سلطنت کی حکمرانی کے ساتھ شریعت کے تمام احکام و فرائض، سنن و نوافل اور اذکار اور تلاوت قرآن کے مکمل پابند تھے۔ فتاویٰ عالمگیری جس کو فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ یہ ان کی علم دوستی کا واضح ثبوت ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی حکمرانی کا دور سلطنت مغلیہ کے عروج کا دور تھا۔ اس کے بعد تمام جانشین، سخت نااہل اور سست طبیعت تھے وہ یورپ کے خطرات کا پامردی سے مقابلہ نہ کر سکے۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ مغلوں کے

زوال اور ان کی شکست و ریخت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہندوستان میں مغل حکمرانوں نے جس شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی ہے ہندوستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس نے پورے برصغیر کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے زیرنگیں کرلیا تھا لیکن جب اس مضبوط حکومت میں ضعف و پیروی کے آثار ظاہر ہوئے تو امراء و ذمہ داران حکومت کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ تفریحات اور دل بہلانے والے کاموں میں مصروف تھے۔ وہ ہر وقت شان و شوکت اور عیش و نعم میں مشغول رہتے۔ ہندوستان کا مغل بادشاہ تو اپنی تفریحات اور تعیّشات کی وجہ سے رنگیلے کے نام مشہور ہوگیا جس کی وجہ سے نادرشاہ نے اسے اپنی فوجی قوت کے ذریعے شکست دی۔ (عالم عربی کا المیہ:۱۴۴)

اس مضمون میں قوموں کے عروج و زوال کے چند واقعات کا ذکر کیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ قوموں کے عروج و ترقی کا دور وہ ہوتا ہے جب ان کا خون جواں ہوتا ہے۔ ان کے عزائم و ارادے بلند ہوتے ہیں وہ ہر موقع پر اپنی ہمت و جوانمردی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کی ناکامی اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ رقص و سرود اور تعیّشات و تفریحات اور انواع و اقسام کے کھانوں، شاندار لباس، عالیشان محلات میں کھو جاتے ہیں۔ لہٰذا قوموں کے عروج و زوال کے تاریخی واقعات سے آج کے مسلمان یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اپنی کمزوریوں اور نقائص کا ازالہ کرکے اپنی اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ بحال کیا جاسکتا ہے۔ آج مسلمانوں کو یہ شکوہ ہے کہ مسلمان صاحب اقتدار نہیں۔ اقتدار کو سیاستدانوں نے بزنس بنالیا ہے جو جتنا زیادہ انوسٹمنٹ کرے گا۔ اتنا فائدہ اٹھائے گا جبکہ اقتدار ایک مشکل چیز ہے۔ اہل اللہ نے کبھی اقتدار کی طلب نہیں بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ جس کے بارے میں ہم سے کل کو بازپرس ہوگئی۔ اگر کہیں کمی و کوتاہی ہوگی تو ہماری پکڑ ہوگی۔ وہ یہ سمجھتے تھے اقتدار کے میدان میں قدم رکھنا دراصل آگ اور پانی کے درمیان پھنسنے کے مترادف ہے۔ پس اس وقت اقتدار کے لئے ایسے مجاہدین و رجال کی ضرورت ہے جو دین و دنیا کے امتزاج کا حسین نمونہ پیش کرسکیں۔

بقول علامہ اقبال مسلمانوں کی کامیابی تب ہی ممکن ہے جب ان کے اندر ایسا شخص اقتدار میں ہو جو گفتار دلبرانہ رکھتا ہو، حسن اخلاق کا مالک ہو اور باطل طاقتوں سے ٹکرا کر انہیں مٹانے کا عمل جانتا ہو۔ اسلام اور توحید سے وابستگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قوت اس کے سینے میں موجزن ہو پھر کامیابی اس ملک کا ضرور مقدر بنے گی۔

اے لا لہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں — گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے — کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ملکہ صبا

حضرت ام حبیبہؓ کے والد کا نام ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس اور والدہ کا ام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی تھیں۔ گویا حضرت ام حبیبہؓ حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کی پیدائش کے مطابق ''ازواج مطہرات وصحابیات انسائیکلو پیڈیا'' میں یوں رقمطراز ہے کہ

''ام المومنین ام حبیبہؓ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے سترہ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت ابوسفیان صخر بن حرب کی عمر ۳۳ سال تھی۔ آپؓ کی پیدائش واقعہ فیل کے تئیس سال بعد ہوئی۔ (ص:۱۹۱)

حضرت ام حبیبہؓ کی ولادت کی خبر ان کے والد حضرت ابوسفیان کو جونہی ملی آپ کے تاثرات کو نواز رومانی اپنی تصنیف ''ازواج الرسول امہات المومنین'' میں یوں رقمطراز ہیں:

گھر میں کئی عورتیں موجود تھیں ابوسفیان سیدھا اندر گیا جہاں اس کی بیوی صفیہ اپنی نومولود بیٹی کے ساتھ موجود تھی وہ بچی کی طرف دیکھنے لگا۔صفیہ خاوند کے چہرے پر ابھرنے والے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہی تھی۔ میرا دل کہتا ہے یہ بہت مبارک بچی ہے۔صفیہ نے کہا: ہوں! ہاں ہاں ابوسفیان خیالات سے چونکا بھولپن کے ساتھ اس کے چہرے میں عجیب طرح کا نور جھلک رہا ہے یقیناً یہ بچی میرے سب خاندان کے لئے باعث رحمت ثابت ہوگی۔ (صفحہ ۴۷۸۔۴۷۹)

حضرت ام حبیبہؓ جن کا نام ان کے والد نے رملہ رکھا تھا اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھیں۔ وہ ان کی تمام تر خواہشات کو پورا کرتے تھے اور ان کی چھوٹی سی تکلیف پر بھی دونوں پریشان ہوجاتے تھے لیکن بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کو ان کے لئے ایک اچھے رشتے کی بھی فکر لاحق ہوگئی تھی۔ لہذا عبیداللہ بن جحش کے رشتے پر دونوں ماں باپ نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔

عبیداللہ بن جحش کے والدین کو جیسے ہی ابوسفیان کی بیٹی رملہ کے جوان ہونے اور دوسرے لوگوں کے رشتے بھیجنے کی اطلاع ملی تو انہیں بھی اپنے خوبصورت، نڈر اور نیک سیرت بیٹے کا رشتہ تمام سے موزوں و مناسب اور بہتر و برتر محسوس ہوا۔ لہذا اس لئے ہاں کردی۔ یوں ابوسفیان (جو ابھی مرتد تھا) کی چاندسی بیٹی رملہ کی شادی جحش بن رباب اور عبدالمطلب کی بیٹی امیم کے قابل فخر بیٹے عبیداللہ بن جحش کے ساتھ بڑے تزک و احتشام اور دھوم دھام سے ہوئی جس میں عرب کے تمام سرداران قبائل نے شرکت کی۔ تمام اکابرین اور زعماء بھی شریک ہوئے۔ (پرویز، پروفیسر خالد، امہات المومنین، ص۲۶۴)

کم عمری سے ہی عبیداللہ بن جحش تلاش حق میں اپنے تین ساتھیوں ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو نفیل کے ساتھ نکلے مگر تینوں ساتھی عبیداللہ بن جحش سے بڑے تھے لہذا تھوڑے تھوڑے عرصے کے فاصلے سے اپنے معبود حقیقی سے جا ملے لیکن عبیداللہ بن جحش متواتر تلاش حق میں سرگرداں رہے اور بالآخر دین ابراہیم کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوگئے کیونکہ آقا علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کردیا تھا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور آپ ﷺ کی صداقت وامانت تمام مکہ میں مشہور تھی۔ اس بناء پر وہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری کے لئے گھر سے حبشہ کی جانب نکلے۔

نواز رومانی اپنی تصنیف ''ازواج الرسول امہات المومنین'' میں یوں رقمطراز ہیں:

اللہ کے محبوب ﷺ اپنے رفقاء وعشاق کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ عبیداللہ اور رملہ کو آتے دیکھا تو چہرہ اقدس پر بشاشت نمودار ہوئی وہاں تشریف فرما حضرات نے راستہ دے دیا، دونوں قدموں کے قریب جاکر بیٹھ گئے۔ کیسے آئے ہو؟ حضور ﷺ نے اپنے مبارک لبوں کو جنبش دی۔ یارسول اللہ ﷺ! صدہا مقام شکر و امتنان ہوگا اگر ہمیں اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ کس کی بیٹی ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے رملہ سے دریافت کیا۔ ابوسفیان صخر بن حرب کی۔ رملہ نے عرض کیا تو رسالت مآب ﷺ کوسن کر بے حد خوشی ہوئی اور پھر دونوں میاں بیوی کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ وہاں موجود حاضرین کی بھی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ (صفحہ نمبر ۴۸۵۔۴۸۶)

قبول اسلام کے بعد دونوں میاں بیوی نے ۶ بعثت نبوی ﷺ حبشہ ہجرت کی وہاں حضرت ام حبیبہؓ کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ زندگی نہایت خوش وخرم گزر رہی تھی لیکن کچھ عرصے بعد آپؓ نے ایک خواب دیکھا۔

ڈاکٹر ذوالفقار کاظم اپنی تصنیف ازواج مطہرات وصحابیات انسائیکلو پیڈیا میں یوں رقمطراز ہیں:

سیدہ ام حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے خاوند عبیداللہ بن جحش کا چہرہ بری طرح مسخ ہو چکا ہے۔ جب آنکھ کھلی تو بہت پریشان ہوئیں چند دن بعد عبیداللہ بن جحش نے اپنی بیوی سے کہا، دیکھو میں پہلے نصرانی تھا پھر میں نے اسلام قبول کیا۔ یہاں حبشہ میں آ کر میں نے محسوس کیا کہ نصرانیت ہی سب سے بہتر ہے لہذا میں نے دوبارہ نصرانیت اختیار کر لی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی نصرانیت قبول کر لو۔ یہی ہمارے لئے بہتر ہے۔ سیدہ رملہ بنت سفیان (ام حبیبہؓ) نے خاوند کو اپنا خواب سنایا کہ شاید وہ ڈراؤنا خواب سن کر اپنے ارادے سے باز رہے۔ اس نے کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ شراب نوشی شروع کر دی۔ ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا۔ ام حبیبہؓ بہت پریشان ہوئیں کہ اب کیا ہوگا۔ دیار غیر میں اللہ تعالیٰ سے صبر و استقامت کی دعا مانگی، کچھ عرصے بعد کثرت شراب نوشی کی وجہ سے عبیداللہ بن جحش فوت ہو گیا۔ (صفحہ۱۹۳)

اس کٹھن دور میں آپؓ کے پاس حبشہ میں سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ اسماءؓ اور لیلیٰؓ جیسی عظیم المرتبت خواتین سمیت 16 خواتین رہیں جنہوں نے آپؓ کو دلاسہ دیا لیکن حضرت ام حبیبہؓ اپنا زیادہ تر وقت یاد الٰہی میں صرف کرنے لگیں۔ مسند احمد میں بیان ہے کہ

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ام حبیبہؓ نے اس کے بعد ساری زندگی کبھی ان نوافل سے ناغہ نہیں کیا۔

آپؓ کے صبر و استقامت اور دین اسلام پر قائم رہتے ہوئے یاد الٰہی میں مشغول رہنے کے سبب رب کریم نے خواب میں انہیں ام المومنین ہونے کی خوشخبری عطا کی۔

پروفیسر خالد پرویز اپنی تصنیف امہات المومنین میں یوں رقمطراز ہیں:

آپؓ ایک رات محو استراحت تھیں کہ خواب دیکھتی ہیں کہ کسی نے آپ کو ام المومنین کہہ کر پکارا ہے۔ آنکھ کھلی تو طبیعت پر خوش گوار اور دل پذیر اثرات مرتب ہوئے۔ رگ و پے خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور انگ انگ انبساط سے بھر گیا۔ ان دنوں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔ اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ ایک روز کسی نے رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حبشہ میں آباد مہاجرین کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا:

یارسول اللہ ﷺ! ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ انتہائی مشکل اور کٹھن حالات سے دو چار ہے۔ رئیس خاندان کی چشم و چراغ کسمپرسی کے دن گزار رہی ہے۔ اس کا قصور محض اتنا ہے کہ اس نے دین اسلام کو دل

و جان سے قبول کرلیا ہے۔ خاوند مرتد ہوکر فوت ہوگیا ہے۔ گود میں ایک چھوٹی سی بچی ہے لیکن صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کررہی ہے، رشتہ دار بھی اس کی خبرنہیں لیتے کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ وہ ہماری امداد اور اعانت کی مستحق ہے۔ رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ کی حالت زار کے بارے میں سنا تو آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ کی مدد اور داد رسی کے لئے بے نظیر و بے مثال ترکیب سوچی۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں ایک مراسلہ دے کر روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس مراسلے میں لکھا تھا کہ اگر ام حبیبہؓ پسند کرے تو اس کا نکاح میرے ساتھ کردیا جائے۔ (ص:۲۷۱ تا ۲۷۲)

وہ مزید یوں لکھتے ہیں:

جس روز صبح کے وقت حضرت ام حبیبہ کے پاس کنیز ابرہہ کو بھیج کر آپ ﷺ کی رضا مندی حاصل کی گئی اسی روز شام کے وقت حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو پیغام دیا کہ اپنے تمام مسلمان احباب کو لے کر میرے پاس تشریف لائیں۔ جب شام ہوئی تو حسب دعوت تمام پناہ گزیں مسلمان شاہی محل میں جمع ہوگئے۔ اس وقت ایک عجیب سماں تھا۔ بادشاہ نجاشی خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا تھا کہ اس کے دربار میں دو جہانوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ اس کے ہاتھوں انجام پذیر ہورہا تھا۔ اس کے لئے یہ بہت بڑی خوش بختی تھی کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وکیل کی حیثیت سے تاریخ کی بہت بڑی سعادت سے فیض یاب ہورہا تھا۔ (صفحہ۲۷۳ تا ۲۷۴)

ڈاکٹر ذوالفقار کاظم اپنی تصنیف ازواج مطہرات وصحابیات انسائیکلو پیڈیا میں یوں رقمطراز ہیں:

سیدہ ام حبیبہؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اظہار تشکر کے طور پر کنیز ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں انعام میں دیں۔ (صفحہ نمبر۱۹۵)

آپؓ، آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے ہمراہ نہایت خوش و خرم زندگی بسر کررہی تھیں لیکن چودہ سال کے عرصے کے بعد رب قادر نے باپ سے بیٹی کو ملوایا۔ بیٹی نے اپنے باپ کو حجرے میں آنے کی دعوت دی۔ ابوسفیان جونہی بستر نبوی ﷺ پر بیٹھنے لگے تو آپ نے فوراً بستر نبوی ﷺ کو لپیٹ کر رکھ دیا۔

نواز رومانی اپنی تصنیف ازواج الرسول امہات المومنین میں یوں رقمطراز ہیں:

کیا تم نے اپنے باپ کو اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ وہ بستر پر ہی بیٹھ سکے؟ ابوسفیان نے حیرانگی و حیرت سے پوچھا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر مبارک ہے اور آپ بھی شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں لہذا میں نہیں چاہتی

کہ آپ کے بیٹھنے سے اس بستر کے تقدس میں فرق آئے۔ (صفحہ نمبر:۵۰۸)

وہ مزید لکھتے ہیں:

وہ محبوب کبریا ﷺ کے اس فرمان کی زندہ جاوید مثال تھیں کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک میری محبت اس کو، اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

وقت گزرتا رہا اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے محبوب شوہر آقائے نامدار سے حاصل کردہ علم و عرفان اپنے روحانی بیٹے، بیٹیوں میں تقسیم فرماتی رہیں۔ آپؓ سے 65 احادیث مروی ہیں اور ان میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ اس ضمن میں پروفیسر خالد پرویز اپنی تصنیف ''امہات المومنین'' میں یوں رقمطراز ہیں:

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں۔ امہات المومنین میں علم حدیث کے حوالے سے تیسرے درجے پر فائز تھیں کیونکہ پہلا درجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسرا درجہ حضرت ام سلمہؓ کا تھا لیکن حضرت ام حبیبہؓ سے 65 احادیث مروی ہیں۔ (صفحہ ۲۸۰)

حضرت ام حبیبہؓ نے مدینہ منورہ میں جام شہادت ۴۴ ہجری کو 74 سال کی عمر میں نوش فرمایا لیکن اپنے دائمی سفر پر جانے سے قبل آپؓ نے امہات المومنین حضرت سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت سیدہ ام سلمیٰؓ کو بلا بھیجا جب وہ تشریف لائیں تو حضرت ام حبیبہؓ نے ان سے مخاطب ہوکر کہا:

مجھے ان امور میں معاف کردو جو ایک شوہر کی ازواج کے درمیان ہوجاتے ہیں لہذا جو کچھ میری جانب سے تمہارے متعلق واقع ہوا ہو اسے معاف کردو۔ (ازواج الرسول امہات المومنین، صفحہ ۵۱۹)

جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ امہات المومنین تمام امت مسلمہ کی خواتین کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہذا ان کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرہ ہوکر خواتین اپنی عائلی زندگی کو خوشگوار اور دین اسلامی کے مطابق بسر کرسکتی ہیں۔ اسی طرح ہم ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی سوانح حیات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ان کے چند ایک پہلو پر تبصرہ کریں گے کہ ہم اپنی زندگیوں میں کس طرح بہتری کا سامان پیدا کرسکتے ہیں۔

ا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا کہ ہر حال میں دین اسلام کو فوقیت دینی چاہئے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد ہی یہی ہے۔ اس کے لئے چاہے کتنے ہی کٹھن دور سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ جیسے آپ نے دین اسلام کو پسند کرتے ہوئے اپنے والد ابوسفیان کو مکہ چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کی لیکن کچھ عرصے بعد جب ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش مرتد ہوگئے تو ان کو لاکھ سمجھانے کے باوجود نہ ماننے پر تنہا زندگی

بسر کرنا پسند کی۔ پھر نہایت صبر و شکر سے زندگی کے دن گزارنے لگیں۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کی راہ میں حائل اگر باپ، بھائی، شوہر میں سے جو بھی آئے تو فقط دین اسلام کو فوقیت دی جائے اور اللہ کی مدد و نصرت کا انتظار کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سبق ہے کہ مصائب و آلام میں بھی اللہ رب العزت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ رب قادر اگر کسی ابتلاء میں مبتلا کرتا ہے تو انسان کو اس مصیبت میں غرق کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ اس پر ثابت قدم رہنے پر وہ انعام و اکرام سے نوازتا ہے جس طرح حضرت ام حبیبہؓ کو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے رشتہ ازدواج میں منسلک کر کے انہیں دلی سکون و اطمینان میسر آیا۔

۲۔ اگر شوہر نیک صالح ہو تو اس کا دل سے عزت و احترام کرنا بھی دین اسلام سے ثابت ہے جس طرح 16 سال بعد جب ام حبیبہ کے والد گرامی ابوسفیان اپنی بیٹی سے ملنے آئے تو آپؓ نے انہیں عزت و تکریم دیتے ہوئے حجرے میں بلایا لیکن بستر نبوت ﷺ پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا منصب بہت اونچا ہے مگر عام عورتوں کے لئے اس میں یہ حکم ہے کہ اپنے شوہر کی عزت و حرمت کا خیال رکھا جائے۔ اس کی عیب جوئی نہ کی جائے۔ اس کے وقار کا خیال رکھا جائے۔ ہمارے معاشرے میں عورتیں اپنے شوہروں کو بدنام کرتی رہتی ہیں۔ ان کی عیب جوئی کرتی ہیں۔ دین اسلام اس کی مذمت کرتا ہے۔

۳۔ حضرت ام حبیبہؓ نے دم آخر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو بلا کر ان سے معافی طلب کی کہ ان معاملات میں معاف کر دیں جو ازواج کے درمیان ہو جایا کرتے ہیں۔

اس سے تمام خواتین کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہر کسی کے ساتھ احسن سلوک روا رکھنا چاہئے اور حتی الامکان محبت و امن اور بھائی چارگی کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے اور رشتوں کو جوڑنے کا سبب بننا چاہئے کیونکہ ہمیں ام المومنین کی حیات مبارکہ سے نہایت نازک رشتہ جو عرف عام میں سوتن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسے بھی کتنے احسن انداز سے نبھانے کی مثال ملتی ہے کہ دوران زندگی وہ پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے باوجود بھی تا دم آخر ان سے معافی مانگ کر اس دنیا کو خیر آباد کہتی ہیں تا کہ وہ اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ لے جائیں لہذا ہمیں بھی اپنے تمام رشتوں کو اسی طرح سے نبھانا چاہئے تا کہ ایک پر امن و پرسکون فضاء کا حصول ممکن ہو سکے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو حضور ﷺ کے نعلین پاک اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تصدق و نظر کرم سے ان پاک ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تذکار پیکر صداقت

محمد احمد طاہر

رفیق نبوت، پیکر صداقت، صوفی امت، چراغ رشد و ہدایت حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابوبکر، صدیق اور عتیق، لقب تھے۔ آپؓ کے والد ماجد کا نام عثمان تھا اور کنیت ابوقحافہ تھی جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی تھا اور ام الخیر کی کنیت سے پکاری جاتی تھیں۔

حسب ونسب اور خاندانی پس منظر

آپؓ کا تعلق قریش خاندان سے تھا اور چھٹی پشت میں آپ کا شجرہ نسب حضور سرور کائنات ﷺ سے جاملتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کا خاندان بکریوں کے ریوڑوں کی پرورش کرتا تھا اور اسی نسبت سے بنوبکر یعنی بکریوں والے کہلاتے تھے۔

خالق کائنات اللہ جل جلالہ نے آپ کو یہ بھی شرف عطا فرمایا کہ آپ کے والدین، آپ کی اولاد، آپ کے پوتوں اور نواسوں نے حضور اکرم ﷺ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا اور صحابیت کے اعلٰی مقام پر فائز ہوئے۔

قبول اسلام

خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ دو بڑی آسمانی کتب انجیل اور توراۃ میں پیغمبر آخرالزماں ﷺ کی آمد کے تذکرے پڑھ چکا تھا اور علاوہ ازیں یہودیت و نصرانیت کے جید علماء کی زبانی بھی آمد مصطفٰی ﷺ کے تذکرے سن چکا تھا۔ میرا بچپن، لڑکپن اور جوانی کے ایام حضور نبی مکرم ﷺ کی سنگت اور معیت میں گزرے اور میں نے آپ میں وہ تمام آثار و علامات نبوت دیکھ لی تھیں جو کہ میں سابقہ کتب سماویہ میں پڑھ چکا تھا اور راہبوں کی زبانی سن چکا تھا۔ لہذا میں اسی وقت ان پر ایمان لے آیا تھا اور میں اس انتظار میں تھا کہ آپ اعلان نبوت فرمائیں اور میں ایمان لانے کا اظہار کروں پھر ایسا ہی ہوا جب آقائے نامدار،

فخر موجودات ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جس کو بھی اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی اس نے جھجک اور تردد سے کام لیا لیکن ایک ابوبکر صدیقؓ کی واحد ذات ہے کہ جس کے اندر ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے میں کوئی تردد یا جھجک نہیں تھا بلکہ بلا تامل فوراً ایمان لے آئے''۔

دعوت و تبلیغ اسلام

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد دوسروں کو بھی اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی۔ آپ کی دعوت کے نتیجے میں درج ذیل صحابہ کرامؓ مشرف بہ اسلام ہوئے:

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۲۔ حضرت عبید بن زیدؓ ۳۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ

سابقہ کتب سماویہ میں ذکر

جماعت صحابہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ وہ واحد صحابی ہیں جن کا تذکرہ سابقہ کتب سماویہ میں آیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ ایک دفعہ تجارت کی غرض سے آپ ملک شام تشریف لے گئے تو وہاں بحیرہ راہب نامی ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی۔ اس راہب نے آپ کو ایک خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس نبی کی تابعداری کریں گے جس کا سب کو انتظار ہے۔ وہ زمانہ قریب ہے جب اس آخری پیغمبر کا ظہور ہوگا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر آپؓ یمن کے سفر پر تھے تو وہاں بھی آسمانی کتب کے ایک بہت بڑے عالم سے ملاقات ہوئی۔ اس راہب عالم نے آپ کو دیکھتے ہی گرم جوشی سے استقبال کیا اور خوشخبری دی کہ آپ میں وہ جملہ علامات موجود ہیں جس کا ذکر آخری رسول کے ساتھی کے طور پر آیا ہے۔

اس عالم نے کہا: یہ علامات و نشانیاں اس شخص کے بارے میں ہیں جو نبی آخرالزماں پر سب سے پہلے ایمان لائے گا، اس کا ساتھی ہوگا اور نبی کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوگا۔

اوصاف رسول ﷺ سے متصف

اگر حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی روزمرہ زندگی کے احوال پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑائیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ آپ کی عادات، اخلاق، خصائل اور اوصاف، رسول مکرم، نبی محتشم، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی عادات و خصائل اور اوصاف حمیدہ کا عکس اور پرتو ہیں۔

مکہ مکرمہ میں کفار ومشرکین نے جب مسلمانوں پر ظلم وستم بڑھا دیا تو رسول اکرم ﷺ نے حبشہ کی جانب ہجرت کا حکم دیا تو آپؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ کرلیا۔ اس نیت سے جب آپ مکہ مکرمہ سے تھوڑی دور پہنچے تو وہاں پر ایک قریشی کردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے بتایا کہ میں ہجرت کر کے حبشہ جا رہا ہوں تو اس نے کہا:

تم جیسا شخص نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے، تم نادار کے لئے سامان مہیا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، لوگوں کے قرضوں کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمان نواز ہو، حق کے معین اور مددگار ہو۔

ابن الدغنہ کے بیان کردہ اوصاف پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تقریباً یہ وہی اوصاف حمیدہ ہیں جن کا ذکر حضرت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے پہلی وحی کے نزول کے بعد حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی بابت کیا تھا۔

شانِ ابوبکر صدیقؓ بزبان رسول صدیق ﷺ

حضور سرور کائنات ﷺ نے کئی مرتبہ آپ کو جنت کی بشارت اور خوشخبری دی اور عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی آپ کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ تم دوزخ سے خدا کے آزاد کردہ ہو، اسی روز سے آپؓ کا لقب عتیق ہوگیا۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ! میں نے سب کے احسانوں کا بدلہ اتار دیا ہے مگر میں آپ کے احسانات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کے احسانوں کا بدلہ دے گا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جنت کی بشارت دی اور فرمایا: اے ابوبکر! تو غار حرا میں بھی میرے ساتھ تھا اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا۔

حضور ﷺ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ کس سے محبت ہے تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ عائشہ سے پھر سوال ہوا کہ مردوں میں سے سب سے زیادہ کون محبوب ہے تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ عائشہ کا باپ یعنی حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ۔

جلیسِ قبرِ رسول ﷺ

پیکر صداقت، رفیق نبوت، آفتاب ولایت، جلیسِ قبرِ رسول حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے 63 سال کی عمر پائی۔ آپ نے دو سال، تین ماہ اور گیارہ دن نظام خلافت کو چلایا۔ ۲۲ جمادی الثانی کو وفات پائی۔ خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور روضہ رسول ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

سماجی انصاف اور اس کے تقاضے

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

اللہ تعالی نے کل انسانیت کو ایک آدم علیہ السلام کی نسل سے جنم دے کر پہلے دن سے ہی سماجی انصاف کی بنیاد رکھ دی تھی۔اسی بات کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا کہ ''لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا،اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیے''(سورۃ نساء،آیت 1)۔اور اسی سماجی انصاف کو محسن انسانیت ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں یوں بیان کر دیا کہ ''تم سب ایک آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہو اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے بنے تھے پس کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوی کے''۔ مذاہب کی تقسیم میں بھی اللہ تعالی نے کسی طرح کی تفریق سے کام نہیں لیا اور اپنی آخری کتاب میں برملا اعلان کر دیا کہ ''بے شک ایمان والے ہوں یا یہودی ہوں یا عیسائی ہوں یا صابی،جو کوئی بھی اللہ تعالی پر اور روز آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس محفوظ ہے اور اس کے لیے کچھ خوف اور غم نہیں''(سورۃ بقرہ آیت 62)۔اللہ تعالی کی ایک صفت ازلی ''عدل'' ہے اور وہ رب،کل کائنات کے ساتھ عدل کرنے والا ہے۔ بظاہر ایک طرف سے محرومی ہے تو دوسری طرف سے اس کا بہترین ازالہ کر دیا،جیسے بینائی سے محروم کیا تو بے پناہ حافظہ عطا کر دیا،ذہنی صلاحیتیں کم تر ملیں تو جسمانی وجود کو قوت و طاقت سے بھر دیا،رنگت اور شکل وصورت میں مقابلۃ کمی بیشی کا شکار ہوا تو خاندانی وجاہت سے اس کمی کو پورا کر دیا علی ھذا القیاس،غرض قدرت کے ہاں سے کل انسان ایک عدل اجتماعی کا مجسم پیکر بن کر اس دنیا میں بھیجے گئے۔

انبیاء علیھم السلام نے جو تعلیمات انسانیت تک پہنچائیں ان میں سماجی عدل کی ایک لحاظ سے مرکزی حیثیت رہی۔محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان کے چھوٹے (طبقے کے لوگ) جرم کرتے تو انہیں سزا دی جاتی اور جب ان کے بڑے (طبقے کے لوگ) جرائم کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا۔جہاں جہاں انسانوں کے اس مقدس ترین طبقے کو اقتدار میسر آیا تو انہوں نے انسانوں کے درمیان عدل و

انصاف قائم کیا اور ظلم و جبر سے انسانی معاشروں کو پاک صاف کرتے چلے گئے۔خاص طور پر محسن انسانیت ﷺ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی اس کا تو خاصہ ہی سماجی عدل و انصاف ہے۔نماز کے اندر پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر جگہ ملتی ہے،کسی خان صاحب ،چوہدری صاحب،ملک صاحب یا پیر صاحب وغیرہ کے لیے کسی طرح کی مراعات نہیں ہیں۔ بس جو پہلے آئے گا وہ مقرب و معزز جگہ پر مقام پائے گا اور جو دیر سے پہنچے گا وہ پچھلی صفوں میں کھڑا ہوگا۔اسی طرح روزے میں بھی معاشرے کے سب طبقات اور تمام افراد کے لیے ایک ہی وقت پر روزہ شروع ہوتا ہے اور ایک ہی وقت پر اختتام پزیر ہوتا ہے۔عدل اجتماعی کی ایک اور تاریخ سازاور عہد آفریں مثال مناسک حج ہیں جن میں صدہا سالوں سے ایک بڑے کے گھر میں سب انصاف کے پیمانوں کے مطابق مراسم عبودیت ادا کرتے ہیں۔سیاست کے میدان میں محض اہلیت کی بنیاد پر سب طبقات کے سب افراد کے لیے کل مناصب کے دروازے کھلے ہیں،معیشت کے میدان میں حرام و حلال سب کے لیے برابر ہیں ،معاشرت کے میدان میں صرف تقوی ہی معیار عزت و توقیر ہے۔

خلافت راشدہ میں محسن انسانیت ﷺ کی تعلیمات اپنے بام عروج پر نظر آئیں۔خلفائے راشدین نے جس طرح کا سماجی انصاف عالم انسانیت کے سامنے پیش کیا ویسا اس آسمان نے پہلے کبھی دیکھا اور نہ ہی شاید تاقیامت دیکھ پائے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے تو ماہانہ مشاہرہ لینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ بعد ازاں شورائیت کے نتیجے میں صرف اتنا وظیفہ قبول کیا جو ایک مزدور کی آمدن کے برابر تھا اور دم آخریں یہ وصیت کر گئے کہ جتنا کچھ وظیفہ کل دور خلافت میں وصول کیا ،ترکے میں سے پہلے اس کی ادائیگی کی جائے اور پھر باقی ماندہ جائیداد تقسیم کی جائے۔حضرت عمر فاروقؓ کا دور حکومت کل مورخین نے سنہرے حروف سے لکھا ہے۔ جب روم جیسی سلطنت کا سفیر یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ تمہارا حکمران عدل و انصاف کرتا ہے اور بے غم سوتا ہے جبکہ ہمارے حکمران ظلم و ستم کرتے ہیں اور خوف زدہ رہتے ہیں۔حضرت عثمانؓ بن عفان نے دنیا بھر کی تاریخ کی واحد مثال پیش کی کہ شہادت تو قبول کر لی لیکن سرکاری افواج تک کو اپنی ذاتی حفاظت پر مامور نہ کیا حالانکہ آپ وقت کے حکمران تھے۔اور شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہ جس تھان سے اپنے لیے کپڑا کٹواتے اسی تھان سے اپنے غلاموں کے لیے بھی کپڑے کٹواتے تھے اور لوگ آقا اور غلام کو ایک ہی طرح کے کپڑوں میں دیکھ کر ششدر رہ جاتے۔

صرف تاریخ اسلام نے ہی سماجی عدل و انصاف کو اپنے معاشروں میں جگہ دی کہ مسلمانوں کے عروج سے قبل اور مسلمانوں کے زوال کے بعد پھر ایسی مثالیں انسانوں کے ہاں پیش نہ کی جا سکیں۔کل انسانی تاریخ میں صرف مسلمانوں کے دور اقتدار میں ہی ہندوستان میں خاندان غلاماں اور مصر میں مملوک خاندان کے لوگ برسر اقتدار آئے اور اس زمین کے سینے پر پہلی بار غلاموں کو اقتدار کے تخت پر براجمان دیکھا۔ہندوستان میں

خاندان غلاماں کے بادشاہان دراصل منڈی میں خریدے گئے غلام تھے اور اپنی قابلیت و اہلیت کی بنیاد پر سیاست کے اعلی ترین منصب پر فائز ہوئے اور جب ایک بادشاہ اس دنیا سے رخت سفر باندھ چکتا تو تو اس کی اولاد کو بادشاہ بنانے کی بجائے عمائدین سلطنت کسی اہل تر فرد کو یہ منصب پیش کرتے،اور یوں یہ سلسلہ آگے کو بڑھ جاتا۔سلطان محمود غزنوی کو ایک شہری نے شکایت کی کہ رات گئے ایک فرد زبردستی اس کے گھر میں گھس کر اس کی بیوی سے زیادتی کرتا ہے۔بادشاہ نے کہا کہ اب جیسے ہی وہ تمہارے گھر آئے مجھے بلا لینا۔رات گئے بادشاہ اس شخص کے ساتھ اس کے گھر میں دیوار پھلانگ کر داخل ہوا،کمرے میں داخل ہوکر پہلے چراغ گل کیا،پھراس بدمعاش کا سر قلم کردیااور گھر والے سے کہا فوراً مجھے پانی پلاؤاور پھراس بدمعاش کی شکل دیکھ کر شکر الحمدللہ کہا۔گھر والے نے پوچھا آپ گھر میں دیوار پھلانگ کر کیوں داخل ہوئے؟ بادشاہ نے کہا دروازے سے آنے میں تاخیر ہوجاتی اور ممکن ہے دروازے سے کھٹکا سن کر وہ بدمعاش فرار ہوجاتا۔گھر والے نے پوچھا چراغ کیوں بجھایا؟ سلطان محمود غزنوی نے جواب دیا کہ مجھے شک تھا شاید یہ میرا بیٹا ہوگا جس کے دماغ میں شہزادگی کا خمار اسے اس بدمستی پر ابھارتا ہو،روشنی میں شکل پہچان جانے سے انصاف کے درمیان شفقت پدری حائل ہو جاتی۔ گھر والے نے پوچھا فوراً پانی کیوں مانگا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ جب سے تم نے ظلم کی شکایت کی تھی میں نے انصاف کی فراہمی تک اپنے آپ پر کھانا پینا حرام کررکھا تھا۔اور آخر میں اس نے پوچھا کہ آپ نے شکر الحمدللہ کیوں پڑھا تو بادشاہ نے کہا کہ وہ بدمعاش میرا بیٹا نہ تھا اس پر میں نے اللہ تعالی کا شکر ادا کیا۔مسلمانوں کا ایک ہزار سالہ دور اقتدار اس طرح کی بے شمار مثالوں سے بھرا پڑا ہے ۔حتی کہ فی زمانہ جب کل دنیا میں یہودیوں،عیسائیوں،ہندؤں اور سیکولر افواج کے ہاتھوں مسلمان گاجر مولی کی طرح کٹ رہے ہیں تب بھی کسی مسلمان ملک میں ان اقلیتوں پر انتقاماً دست درازی نہیں کی گئی۔

ہندؤں نے چار ذاتوں کی آڑ میں سماجی انصاف کو ذبح کر دیا،بدھوں نے برما میں سینکڑوں نہیں ہزارہا مسلمان عورتوں ،بچوں اور بوڑھوں کا قتل عام کیا اورانکی بستیاں اور املاک نذر آتش کیں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں تک کو نیست و نابود کر کے انصاف کا قلع قمع کر دیا،عیسائیوں کے کسی فرقے کا پوپ آج تک ایشیا یا افریقہ سے نہیں آیا حالانکہ اس مذہب کے اکثریتی پیروکاران دونوں براعظموں سے تعلق رکھتے ہیں اور صلیبی جنگوں وسقوط قرطبہ سے آج تک دامن صلیب انسانی خون سے رنگا رنگ ہے۔یہودیوں نے تو انبیاء علیھم السلام جیسی ہستیوں کے بھی قتل سے دریغ نہ کیا تو باقی عدل و انصاف کے تقاضے وہ کہاں سے پورے کریں گے؟ جب کہ سیکولرازم تو ان سب سے بازی لے گیا ہے جس نے بدترین اخلاقی و علمی بددیانتی سے ان مذاہب کے عمدہ

ترین تصورات کو چوری کر کے اپنے نام سے منسوب کر لیا ہے اور کذب و نفاق اور ظلم و ستم کی وہ داستانیں رقم کی ہیں کہ الامان و الحفیظ۔ انتہاء تو یہ ہے کہ دیگر مذاہب بظاہر جو نظر آتے ہیں حقیقت میں بھی کم و بیش وہی ہوتے ہیں جبکہ سیکولرازم انسانیت کا نعرہ لگا کر انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتا ہے، جمہوریت کا نعرہ لگا کر آمریت کو مسلط کرتا ہے اور اسی طرح عدل و انصاف کا جھانسا دے کر ظلم و بربریت اور کشت و خون کا بازار گرم کرتا ہے۔ آلودگی کے نام پر معاشی جنگ، خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر معاشرتی جنگ، حقوق نسواں کے نام پر بدکاری کا فروغ، ''چائلڈ لیبر'' کے نام پر خاندانوں کی بربادی، تعلیم کے نام پر جہالت اور سیکولر تہذیب کا پرچار اور گلوبلائزیشن کے نام پر کل انسانیت کو تہذیبی و ثقافتی غلامی کی زنجیروں میں ناک تک جکڑ لینا اس سیکولرازم کا تاریخی کردار ہے۔ پس اب تو تاریخ انسانی اس بات پر گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک عمل کیے، حق بات کی نصیحت کی اور صبر کی تلقین کی۔ سماجی انصاف صرف ایک ہی صورت میں اس عالم انسانیت کا مقدر بن سکتا ہے جب قرآن و سنت کے اقتدار کا سورج مشرق سے طلوع ہوگا اور وہ وقت اب قریب آنے والا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اظہار تعزیت

۱۔ مرکزی ناظمہ تربیت محترمہ گلشن ارشاد کی پھوپھو کی بیٹی وفات پا گئیں۔

۲۔ MWL کی کمپیوٹر آپریٹر اور آفس سیکرٹری محترمہ نبیلہ یوسف کی خالہ جان، نانا جان اور ماموں جان انتقال کر گئے۔

۳۔ سیالکوٹ کی سابقہ صدر محترمہ ثریا ڈار کے شوہر وفات پا گئے۔

۴۔ لاہور کی سینئر بہن محترمہ توقیر رانا کی والدہ محترمہ انتقال کر گئیں۔

۵۔ MSM اقبال ٹاؤن کی جواں سال بہن زینب ملک انتقال کر گئیں۔

۶۔ کھاریاں کی صدر محترمہ روبینہ کے شوہر انتقال کر گئے۔

تحریک منہاج القرآن، پاکستان عوامی تحریک اور منہاج القرآن ویمن لیگ کے تمام قائدین و قائدات مرحومین کے لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شفاعت عالیہ سے بہرہ یاب فرمائے۔ آمین

﴿ذہنی خوف و ہراس سے نجات کیلئے وظائف﴾

پہلا وظیفہ: اگر کوئی شخص کسی ذہنی خوف و ہراس کا شکار ہو، غم، پریشانی، گھبراہٹ اور خطرات میں الجھا ہوا ہو تو اس کے لئے درج ذیل وظیفہ نہایت مفید و مؤثر ہے:

حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ○

<u>طریقہ:</u> تعوذ (**اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ**) اور تسمیہ (**بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**) پڑھنے کے بعد سورہ آلِ عمران کی درج ذیل دو آیات (۱۷۳، ۱۷۴) کی تلاوت کریں:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا ''حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ○''

یہاں پہنچ کر ان کلمات کو سو (۱۰۰) مرتبہ پڑھیں۔

یہ تسبیح کرنے کے بعد دوسری آیت

''فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللهِ ط وَاللهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ○'' (آل عمران، ۳: ۱۷۳-۱۷۴)

پڑھ کر وظیفہ مکمل کرلیں۔

- اس وظیفہ کو ۴۰ دن تک یا حسب ضرورت جاری رکھیں۔

دوسرا وظیفہ: ذہنی خوف و ہراس اور غم و اندوہ سے نجات کے لئے یہ وظیفہ بھی مفید و موثر ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (انبیاء، ۲۱: ۸۷-۸۸)

- اس وظیفہ کو

.۱۱ مرتبہ یا ۴۰ مرتبہ پڑھ کر صبح و شام دم کریں۔

.اوّل و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

اگر پریشانی زیادہ ہو تو ایک تسبیح (۱۰۰ مرتبہ) بھی کر سکتے ہیں۔

- اس وظیفہ کو ۴۰ دن یا حسب ضرورت تک جاری رکھیں۔

گلدستہ

مرتّبہ: ملکہ صبا

کلام اقبال

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھکو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا
ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

اقوال زریں

۱۔ سب سے زیادہ نیکی اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کی عزت کرنا ہے۔ (حضور نبی اکرم ﷺ)

۲۔ انسان کا کردار صندل کے درخت جیسا ہونا چاہئے جو خود پر کلہاڑی کی ضرب کھا کر بھی کلہاڑی کو خوشبو سے مہکا دیتا ہے۔

۳۔ تمہارے نفس کی تربیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ۔۔۔! تم ان چیزوں سے دوری اختیار کرو جو تمہیں دوسروں میں بری لگتی ہیں۔

۴۔ اللہ کے خوف سے گرنے والا آنسو خواہ چھوٹا کیوں نہ ہو لیکن اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ سمندر کے برابر گناہ مٹا دیتا ہے۔

۵۔ کسی کی بداخلاقی سے دل برداشتہ ہوکر اپنے اخلاق کو نہیں گرانا چاہئے کیونکہ یہ بزدلی اور کم ظرفی کی علامت ہے۔

۶۔ اخلاق کی دولت کو حاصل کرنے والا کبھی مفلس نہیں ہوتا۔

۷۔ جب کسی کام کا ارادہ کرلو تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (علامہ محمد اقبالؒ)

ملائی قلفی

اجزائے ترکیبی (Ingrediends)

۱۔ 1 لیٹر دودھ

۲۔ کپ چینی

۳۔ ایک چٹکی برابر سٹرک ایسڈ

۴۔ ڈبہ (200 گرام) کثیف دودھ

۵۔ چائے کا چمچ الائچی پاؤڈر (پسی ہوئی الائچی)

تیاری (Preparation)

۱۔ ایک چوڑے پین میں دودھ گرم کریں۔

۲۔ دھیمی آنچ پر اس وقت تک اس میں چمچ ہلاتے رہیں کہ وہ کم ہوکر ایک تہائی باقی رہ جائے۔

۳۔ جلنے/ جھلسنے سے بچانے کے لئے پین کے سائیڈز اور پیندا کھرچتے رہیں پھر چینی شامل کریں۔

۴۔ دوبارہ تین چار منٹ تک ابالیں۔

۵۔ دودھ کو دو مادی حصوں میں تقسیم کریں۔

۶۔ ایک حصہ ایک جانب رکھ دیں۔

۷۔ دوسرے حصے پر۔۔سٹرک ایسڈ چھڑکیں۔

۸۔ تھوڑی دیر بعد دودھ دہی کی مانند جم جائے گا۔

۹۔ اگر دودھ دہی کی مانند نہ جمے۔۔تب بقایا سٹرک ایسڈ بھی اس میں شامل کریں۔

۱۰۔ مکسچر کو فی الفور پھینٹیں۔

۱۱۔ کثیف دودھ بقایا ابلا ہوا دودھ اور الائچی پاؤڈر شامل کریں۔

۱۲۔ بخوبی مکس (یکجا) کریں۔

۱۳۔ قلفی کے سانچوں میں انڈیل دیں۔

۱۴۔ فریج کے فریزر والے حصے میں 8 تا 10 گھنٹے تک جمنے کے لئے پڑا رہنے دیں۔

۱۵۔ کھانے کے لئے قلفی کو فریج سے نکالیں۔ سانچوں کو پانی میں ڈبوئیں اور قلفی باہر نکالیں۔

۱۶۔ ٹکڑوں میں کاٹ کر کھانے کے لئے پیش کریں۔

پاکستان عوامی تحریک اور منہاج القرآن ویمن لیگ کی سرگرمیاں

فیصل آباد

پاکستان عوامی تحریک ضلع فیصل آباد کے زیر اہتمام عظیم الشان تاریخی عوامی فیملی میلہ فیصل آباد کے مقامی کلب میں انعقاد پذیر ہوا، جس میں تحریک منہاج القرآن کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور سیکرٹری جنرل پاکستان عوامی تحریک خرم نواز گنڈا پور نے خصوصی شرکت کی جبکہ میلے کی صدارت پاکستان عوامی تحریک پنجاب کے صدر چوہدری بشارت عزیز جسپال نے کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا کرپٹ، فرسودہ سیاسی نظام زمین بوس ہونے کو ہے، پاکستانی قوم گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دینے کے لئے قائد انقلاب ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا ساتھ دے۔ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مارچ کے مہینے میں پاکستان آ رہے ہیں اور انقلابی جدوجہد جہاں سے ختم کی تھی وہیں سے شروع کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ انقلابی جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک غریب کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آ جاتی اور یہ غریب کش نظام سمندر برد نہیں ہو جاتا۔ انہوں نے کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانی قوم خاموش تماشائی بننے کی بجائے اپنے گھروں سے نکلے اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے اس ظالم نظام سے ٹکر لے۔

تقریب سے سیکرٹری جنرل پاکستان عوامی تحریک خرم نواز گنڈاپور، جنرل سیکرٹری عوامی تحریک پنجاب فیاض احمد وڑائچ، ضلعی صدر رانا طاہر سلیم خاں، علامہ سید ہدایت رسول قادری، میاں عبدالقادر، میاں کاشف محمود، چوہدری ناصر حبیب ایڈووکیٹ، ڈاکٹر روبینہ رشید، باجی فرحت دلبر، سفیرا خاں ایڈووکیٹ، میاں ظہور احمد، رانا نثار احمد شہزاد، ملک سرفراز قادری اور غلام محمد قادری نے بھی خطاب کیا۔ اس موقع پر ان احباب کا کہنا تھا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن حکمرانوں کے گلے کا پھندا بنے گا، ہم کسی طرح بھی سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء کو بھلا نہیں سکتے۔ وہ انقلاب کے پہلے شہید ہیں، ان کا خون ہم پر قرض ہے اور حکمرانوں کی گردن پر پھانسی کا پھندا ہے، یہ گردنیں ایک دن پھانسی کے پھندے پر ہوں گی۔

عوامی فیملی میلے میں پاکستان کے نامور فنکاروں اور گلوکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ پیش کیا۔ میلے میں

ایک ہزار سے زائد فیملیوں نے قائد انقلاب کی سالگرہ کے کیک کاٹے۔ میلے میں جھولے، جھومر، قوالی، ملی نغمیں، کھانے پینے کے اسٹال، کتابوں اور سی ڈیز کے سٹال بھی لگائے گئے۔ فیصل آباد کے شہریوں نے پاکستان عوامی تحریک کے عوامی فیملی میلے کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور ہزاروں کی تعداد میں مرد وخواتین، بچے، عام شہری اس میلے میں شریک ہوئے۔ عام شہریوں کا یہ کہنا تھا دہشت گردی، مہنگائی اور پریشان حالات میں عوامی تحریک نے عوامی میلے کا انعقاد کر کے لوگوں کیلئے خوشی کا سامان مہیا کیا ہے۔

امن سیمینار

گذشتہ ماہ پاکستان عوامی تحریک شعبہ خواتین کے زیر اہتمام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری امن کے سفیر کے عنوان سے سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت محترمہ فضہ حسین قادری نے کی، سیمینار میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی نامور خواتین نے شرکت کی۔

سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے محترمہ فضہ حسین قادری نے کہا کہ ماڈل ٹاؤن میں خواتین کے چہروں پر گولیاں برسانے والے قاتل اور درندے آج بھی دندناتے پھر رہے ہیں انہیں گرفتار کیا جائے۔ پاکستان عوامی تحریک شعبہ خواتین کی صدر محترمہ راضیہ نوید نے کہا کہ سربراہ عوامی تحریک نے 18 کروڑ عوام کے آئینی حقوق کی بات کی تو ماڈل ٹاؤن میں خون کی ندیاں بہا دی گئیں دہشتگردی ختم کرنے کیلئے حکمران خواتین کو ترقی کے مساوی مواقع دیں۔

معروف ماہر تعلیم ڈاکٹر ثمر فاطمہ نے کہا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری کے مطابق آئین جمہوریت کی تین شرائط بیان کرتا ہے مساوات، عدل و انصاف، لیکن حکمرانوں نے 18 کروڑ عوام کے حقوق کی جدوجہد کرنے والوں کو 17 جون کو ریاستی جبر و دہشت گردی کے ذریعے گولیوں سے بھون دیا اور قاتل آج تک دندناتے پھر رہے ہیں۔

محترمہ شبنم ناگی ایڈووکیٹ نے کہا کہ 17 جون کو خواتین پر ہونے والے وحشیانہ تشدد کی مثال دنیا کے کسی جمہوری معاشرے میں نہیں ملتی۔ محترمہ سعیدہ دیپ نے کہا کہ نہتی خواتین پر گولیاں چلانا یزیدی خصلت ہے۔ ڈاکٹر طاہرالقادری کی اس جنگ میں ہم انکے ساتھ ہیں، دہشت گرد حکمرانوں کے خلاف پوری قوم کو نکلنا ہوگا۔

محترمہ نوشابہ ضیاء نے کہا کہ تحریک منہاج القرآن نے تعلیم کو عام کرنے کے حوالے سے انقلابی جدوجہد کی۔

محترمہ شاکرہ چوہدری نے کہا کہ جب ظلم کا نظام حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر حق کی قوتیں آگے بڑھتی ہیں قوم کو ڈاکٹر طاہرالقادری کی کال پر ان ظالم حکمرانوں کے خلاف آگے بڑھنا ہوگا۔ دھرنے کے دوران عوامی

تحریک کی خواتین کا جذبہ اور جدوجہد دیکھ کر پورے پاکستان کی خواتین کو ایک نیا حوصلہ ملا، تخت لاہور کے ظالم حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بند کرنا ہوگا۔

محترمہ گلشن ارشاد نے کہا کہ خواتین کو تعلیم اور روزگار سے محروم رکھ کر میٹرو بسیں چلائی جا رہی ہیں۔ اسلام اور آئین نے خواتین کو جو حقوق دیئے حکمران انکی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

سیمینار کے آخر میں ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 64 ویں سالگرہ کا کیک کاٹا گیا اور ان کی جلد صحت یابی کے لئے خصوصی دعا کی گئی۔

راولپنڈی

گذشتہ ماہ پاکستان عوامی تحریک راولپنڈی کے زیر اہتمام آرٹس کونسل ہال میں سفیر امن سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کی۔ انہوں نے اس موقع پر خصوصی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ استحصالی نظام کے خلاف ڈاکٹر طاہرالقادری کی ایک ایک بات تلخ حقیقت کی صورت آج سب کے سامنے ہے۔ قوم اور فوج دہشت گردوں کے خلاف سینہ سپر مگر حکمرانوں کو سینیٹ میں اپنا اقتدار مضبوط کرنے کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ ڈاکٹر طاہرالقادری نے قوم کو اس قدر شعور دیا کہ آج محروم طبقات اپنے حقوق پانے کیلئے شہر شہر دھرنے دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر طاہرالقادری کا دس نکاتی ایجنڈا غریب عوام کی آواز ہے، جس دن انہیں قوت نافذہ ملی، کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا۔ ڈیل کی باتیں کرنے والے ڈاکٹر طاہرالقادری کا جوتا بھی نہیں خرید سکتے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن حکمرانوں کے گلے کا پھندا ہے، شہیدوں کا قرض ضرور چکائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری چند دنوں میں پاکستان لوٹنے والے ہیں۔ کارکن اپنی جدوجہد تیز کریں، منزل اوجھل ضرور ہے مگر دور نہیں۔ جمہور کے خون سے سینچی جانے والی جمہوریت جلد اپنے ہی وزن سے گرنے والی ہے۔

پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی صدر ڈاکٹر رحیق عباسی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہم جنرل راحیل شریف کی کاوشوں کو سلام پیش کرتے ہیں مگر نظریاتی محاذ پر کام کئے بغیر دہشت گردوں کا خاتمہ ممکن نہیں۔ موجودہ حکمران دہشت گردوں کے کا سیاسی ونگ ہیں۔ ملکی معیشت آئی ایم ایف کے پاس گروی رکھ دی گئی ہے۔ نظام بدل کر قوم کو خونی انقلاب سے بچانا چاہتے ہیں۔ عام انتخابات میں ہارنے والوں کو سینیٹ کے ذریعے اقتدار میں لایا جا رہا ہے۔ الیکشن کمیشن بے بس ہے اور سارے فیصلے بدعنوان سیاست دان کر رہے ہیں۔

مسلم لیگ ق کے سینیٹر اجمل وزیر نے کہا کہ ملکی جمہوریت سرمایہ داروں کی غلام ہے۔ بیس بیس کروڑ لگا

کر سینیٹر بننے والے خدمت نہیں لوٹ مار کرنے آرہے ہیں۔ پارلیمنٹ کو فاٹا کے حوالے سے قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں، سارے اختیار صدر پاکستان کے پاس ہیں۔ ڈاکٹر طاہرالقادری کا ہمیشہ ساتھ دوں گا۔

پیپلز پارٹی کے سابق راہنماء بی اے ملک نے کہا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری کی تاریخ ساز جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج قوم کا ہرفرد اپنے آئینی حقوق کی بات کرنے لگا ہے۔ بھٹو کی طرح ڈاکٹر قادری نے بھی پسے طبقات کو ظالم کے خلاف کھڑا ہونے کا حوصلہ دیا۔

سیمینار سے احمد نواز انجم، سلطان نعیم کیانی، انارخان گوندل، فخر زمان عادل، منصور اعوان، بلال چیمہ اور گل رعناء نے بھی خطاب کیا۔ سیمینار کے آخر میں ڈاکٹر طاہرالقادری کی 64ویں سالگرہ کا کیک کاٹا گیا اور ان کی صحت وسلامتی کیلئے اجتماعی دعاء کی گئی۔

فرینکفرٹ (جرمنی) قائد ڈے پر پروقار تقریب کا انعقاد

رپورٹ: محمد اصغر مرزا (فرینکفرٹ جرمنی)

منہاج القرآن انٹرنیشنل جرمنی کے زیراہتمام آفنباخ میں 19 فروری کو ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 64 ویں سالگرہ کے موقع پر ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں منہاج القرآن کے رفقا اور عہدیداران کے علاوہ مختلف سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیمات کے عہدیداران نے بھی شرکت کی۔ ریٹائرڈ پروفیسر کرسچن ویلیام ٹیرول اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا جس کی سعادت حمزہ طاہر نے حاصل کی جبکہ آقائے دو جہاں کی بارگاہ بے کس پناہ میں نعت رسول مقبول پڑھنے کی سعادت حاجی محمد افضل قادری نے حاصل کی۔ بعد ازاں شریف اکیڈمی جرمنی کے ڈائریکٹر مراد شریف نے ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اپنا نیا کلام پڑھا۔

اس موقع پر حافظ عبدالرحمٰن نے ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ گو میرا تعلق کسی دوسری پارٹی سے ہے مگر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے جس طرح سے اسلام کی خدمت کی ہے اگر اس کو سراہا نہ جائے تو یہ سرا سر زیادتی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ منہاج القرآن کو ڈاکٹر طاہرالقادری نے پوری دنیا میں پھیلا دیا ہے اور اسلام کا حقیقی چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

فاضل منہاج القرآن یونیورسٹی لاہور علامہ شوکت اعوان نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی خدمات کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے ایک ہزار کتاب لکھی ہے جن میں سے پانچ سو کتب

پرنٹ ہو چکی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ منہاج القرآن انٹرنیشنل کا پوری دنیا میں نیٹ ورک قائم ہے اور اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ علامہ صاحب نے منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے زیراہتمام چلنے والے یتیم اور نادار بچوں کے لیے بنائے گئے پراجیکٹ آغوش اور بیت الزہرا کا بھی ذکر کیا جو اپنی مثال آپ ہیں۔

ریٹائرڈ پروفیسر کرسچن ویلیام ٹیرول نے ڈاکٹر طاہرالقادری اور منہاج القرآن کے حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پچھلے سال میرے دورہ پاکستان کے دوران جب میں منہاج القرآن کے مرکز لاہور گیا تو میری ملاقات ڈاکٹر صاحب کے بڑے بیٹے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری سے ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صرف مسلمانوں کے حقوق کی بات ہی نہیں کرتے بلکہ وہ تمام اقلیتوں کے حقوق اور آزادی کی بات کرتے ہیں جس سے مجھے انتہائی خوشی ملی، کیونکہ آپ کو اپنے مذہب کا پیغام اپنے لوگوں تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ دوسرے مذاہب کے ساتھ ملکر ہم آہنگی پیدا کرنا چاہئے تاکہ آپ اپنے مذہب کا پیغام دنیا میں دوسرے مذاہب تک بھی پہنچا سکیں۔

تقریب کے آخر میں سالگرہ کا کیک بھی کاٹا گیا اور پاکستان کی سلامتی کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام کی صحت و سلامتی کے لیے بھی دعا کی گئی جس کے بعد مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

برطانیہ: قائد ڈے کے موقع پر تحائف کی تقسیم

ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے 64 ویں یوم پیدائش کے موقع پر جہاں دنیا بھر میں تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے تحت مختلف تقریبات کا انعقاد کیا گیا وہاں پاکستان عوامی تحریک برطانیہ ویمن ونگ نے اپنے قائد کی سالگرہ کی خوشی کو ایک نئے انداز میں منانے کا عہد کیا، جس کے تحت برطانیہ بھر کے 6 بڑے شہروں میں پاکستان عوامی تحریک برطانیہ خواتین ونگ نے ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی خدمات پر مبنی پمفلٹ اور تحائف راہگیروں میں تقسیم کیے، جو کہ ان کے لیے بہت زیادہ دلچسپی اور معلومات کے حصول کا باعث بنے۔ ہیلی فیکس، برمنگھم، بریڈفورڈ، لندن، نیلسن اور والسال میں اس دلچسپ مہم کے دوران چھوٹی عمر کے بچوں میں ٹافیاں اور چاکلیٹ بھی تقسیم کی گئیں۔ پاکستان عوامی تحریک یوکے کی مرکزی رہنما مسز جبین نوید نے کہا کہ سالگرہ کو اس انداز میں منانے کا مقصد بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ اور دہشت گردی کے خاتمہ کیلئے ڈاکٹر طاہرالقادری کی علمی، فکری اور تحقیقی کاوشوں سے عوام الناس کو روشناس کروانا اور ان پر خراج تحسین پیش کرنا ہے۔

امریکہ: نیوجرسی کے زیراہتمام قائد ڈے کی پروقار تقریب

منہاج القرآن سینٹر نیوجرسی میں 19 فروری 2015 کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 64 ویں سالگرہ کے موقع پر ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں سینٹر کے طلبہ و طالبات کے علاوہ ان کے والدین نے بھی شرکت کی۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ تلاوت کے بعد درود وسلام کا ورد کیا گیا۔ بعد ازاں ڈائریکٹر منہاج القرآن سینٹر نیوجرسی علامہ محمد شریف کمالوی نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی خدمات کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے ایک ہزار کتاب لکھی ہے جن میں سے پانچ سو کتب پرنٹ ہو چکی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ منہاج القرآن انٹرنیشنل کا پوری دنیا نیٹ ورک قائم ہے اور اسلام کی خدمت کر رہی ہے۔ تقریب کے آخر میں سالگرہ کا کیک کاٹا گیا اور بچوں میں تقسیم کیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام کی صحت وسلامتی کے لیے بالخصوص اور تمام مسلمانوں کے لیے بالعموم دعا کی گئی۔

چین: قائد ڈے کے موقع پر پروقار تقریب کا انعقاد

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہرالقادری کے 64 ویں یوم پیدائش کو آج پاکستان سمیت دنیا کے 90 ممالک میں پاکستان عوامی تحریک اور تحریک منہاج القرآن کے زیراہتمام منایا گیا۔ 19 فروری 2015ء کو چائنہ میں محمد حفیظ قادری نے بھی اپنے قائد سے تجدید وفا کرتے ہوئے قائد ڈے تقریب کا اہتمام کیا۔ تقریب میں ڈاکٹر طاہرالقادری کی علمی فکری اور نظریاتی خدمات کو خراج تحسین پیش بھی کیا گیا۔ اس موقع پر شرکاء تقریب کو ڈاکٹر طاہرالقادری کی عالم اسلام کے حوالے سے خدمات پر ایک ڈاکومنٹری بھی دکھائی گئی جسے حاضرین نے بہت سراہا۔ تقریب کے آخر میں ڈاکٹر طاہرالقادری کی 64 ویں سالگرہ کے حوالے سے کیک بھی کاٹا گیا۔ شرکاء تقریب نے ڈاکٹر طاہرالقادری کی صحت وتندرستی اور لمبی عمر کی دعائیں بھی کیں۔

خواتین کے عالمی دن کے موقع پر سیمینار

پاکستان عوامی تحریک شعبہ خواتین کے تحت مرکزی سیکرٹریٹ میں خواتین کے عالمی دن کے موقع پر سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی سینکڑوں خواتین نے شرکت کی۔ پاکستان عوامی تحریک شعبہ خواتین کی مرکزی صدر راضیہ نوید نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں 90 فی صد سے زائد عورتیں گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔ غربت کے

باعث لاکھوں خواتین اور بچے گھروں میں کام کر رہے ہیں مگر حکمران بے حس ہو چکے ہیں اور خواتین کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں۔ ملک کو بنے 67 سال ہو چکے، ہم ابھی تک جاگیردارانہ قبائلی کلچر اور فرسودہ رسم و رواج سے پیچھا نہیں چھڑا سکے۔ عورتوں پر تشدد بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ جس سے انسانی زندگی کی اقدار اور وقار کی نفی بھی ہوتی ہے۔ پاکستان میں روزانہ درجنوں خواتین کو ذہنی، جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ نا اہل حکمران اس تشدد کی فضا کو کم کرنے اور قوانین ہونے کے باوجود ان پر عمل درآمد کرانے میں مکمل ناکام دکھائی دیتے ہیں۔

راضیہ نوید نے کہا کہ موجودہ حکمرانوں کے 18 ماہ کے دور حکومت میں خواتین پر تشدد کے 8 ہزار سے زائد کیسز سامنے آئے۔ نام نہاد حکمرانوں نے کئی بل اور قوانین اسمبلیوں میں پاس کئے لیکن اس کے باوجود ملک بھر اور خاص طور پر پنجاب میں خواتین پر تشدد میں مسلسل اضافے پر ساری قوم پریشان ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں خواتین کے خلاف تشدد اور مظالم انتہائی سنگین صورتحال اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ڈینگی مچھر کی خبر رکھنے والے وزیر اعلیٰ پنجاب 17 جون کو سانحہ ماڈل ٹاؤن میں خواتین کی بے حرمتی سے کس طرح بے خبر رہ سکتے ہیں۔ حکمرانوں نے معصوم اور نہتی خواتین پر گولیاں برسا کر یزیدی خصلت کا مظاہرہ کیا۔ حوا کی بیٹیاں تخت لاہور کے ظالم حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتی ہیں۔ راضیہ نوید نے کہا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کی شہید اور زخمی بیٹیاں 8 ماہ سے انصاف کی منتظر ہیں۔ وزیر اعلیٰ پنجاب خواتین پر تشدد کو سنگین جرم سمجھتے ہیں تو پھر وہ پاکستان عوامی تحریک اور تحریک منہاج القرآن کی خواتین پر تشدد کرنے والے پولیس اہلکاروں اور افسران کو تحفظ نہ دیں اور اس تشدد اور قتل و غارت گری کا حکم دینے والوں کو کٹہرے میں لائیں اور اپنے عمل سے ثابت کریں کہ وہ پنجاب کی ہر خاتون کو ماں، بہن اور بیٹی سمجھتے ہیں۔ عوامی تحریک کی خواتین نے ریاستی درندگی کا جرات مندانہ سامنا کیا، اپنی بہنوں کے بہنے والے خون کو نہیں بھولے۔ یہ زخم ہماری روحوں پر محفوظ ہیں۔ نام نہاد خادم اعلیٰ کے ولی عہد نے ایک خاتون عائشہ احد پر خود بھی ظلم کیا اور پولیس سے بھی ظالمانہ تشدد کرایا۔ اگر اس وقت وزیر اعلیٰ پنجاب عائشہ احد کو انصاف دیتے تو آج بہت ساری خواتین مردوں کے امتیازی سلوک اور تشدد سے محفوظ رہتیں۔

راضیہ نوید نے کہا کہ 8 مارچ نہ صرف خواتین کی کامیابیوں کو منانے کا دن ہے بلکہ ان کے خلاف روا منفی سلوک اور رویوں کے خلاف عمل پیرا ہونے کا عہد بھی ہے۔ بڑھتی ہوئی انتہا پسندی، لاقانونیت، مہنگائی، بے روزگاری اور معاشی بد حالی نے خواتین کی حیثیت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ تشویش کی بات ہے کہ گذشتہ سالوں کی نسبت خواتین پر تشدد کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومتی گڈ گورننس کے دعوؤں کا اندازہ

اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف پنجاب میں ایک سال میں خواتین کے اغوا کے 1900، قتل کے 1100، عصمت دری کے 900، خودکشی کے 550، ونی اور کاروکاری کے 200 سے زائد واقعات ہوئے لیکن نام نہاد وزیر اعلیٰ پنجاب حقائق سے بے خبر سب اچھا ہے کا راگ الاپ رہے ہیں۔ راضیہ نوید نے کہا کہ اگر حکمران خواتین کی حالت بدلنے میں سنجیدہ ہوتے تو قوانین پر سختی سے عمل درآمد کرواتے لیکن ظالم حکمرانوں کو میٹرو بس اور لیپ ٹاپ کے منصوبوں سے فرصت ملے تو وہ ان حساس اور اہم معامالات پر توجہ دیں۔ حکمرانوں کیلئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ پاکستان میں ہر سال ایک ہزار سے زائد خواتین غیرت کے نام پر قتل کر دی جاتی ہیں۔ گذشتہ 13 برس میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں 57ہزا سے زائد شہریوں کا جانی نقصان ہوا جبکہ اسی عرصے میں زیادتی، تشدد اور قتل کے واقعات میں 80 ہزار خواتین اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ حکمران عیاشیاں ختم کرتے ہیں نہ مشکوک دولت کے مالکوں کی فراوانیاں ہی تھمنے کا نام لیتی ہیں۔ سیمینار سے گلشن ارشاد، نبیلہ ظہیر، افنان بابر، ملکہ صبا نے بھی خطاب کیا۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن احتجاجی ریلی ملتان میں صدر پاکستان عوامی تحریک ویمن ونگ راضیہ نوید کی زیر قیادت خواتین کی کثیر تعداد کی شرکت

پاکستان عوامی تحریک شعبہ خواتین کے تحت مرکزی سیکرٹریٹ میں خواتین کے عالمی دن کے موقع پر سیمینار سے
مرکزی صدر محترمہ راضیہ نوید و دیگر مقررات خطاب کر رہی ہیں۔

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام عالمی یوم خواتین کے سلسلے میں خصوصی نشست سے جسٹس (ر) ناصرہ جاوید اقبال، بیگم مہناز رفیع، ڈاکٹر پروین خان، پروفیسر مسرت کلانچوی، ڈاکٹر نوشین حامد، عارفہ صبح خان، بیگم صفیہ اسحاق اور افنان بابر خطاب کر رہی ہیں جبکہ بیگم حامد رانا، ام کنول نسیم، ڈاکٹر خالدہ امجد، ڈاکٹر راشدہ قریشی، فوزیہ چیمہ اور ملکہ صبا سٹیج پر بیٹھی ہیں۔

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
LAHORE
Regd CPL No.45

AGS
READ LEAD SUCCEED

Aghosh Grammar School

Playgroup to Matric

ADMISSION OPEN

- State of the Art Building
- Activity Based Learning
- Purpose-Built Institution
- Boarding House Facility
- Highly Qualified and Trained Staff

Visit us at:
Aghosh Complex
Shah-e-Jelani Road,
Township, Lahore.

Free Computer &
English Spoken Course
for Student and one Family Member

042-35116787, 35116790-1 www.aghosh.net